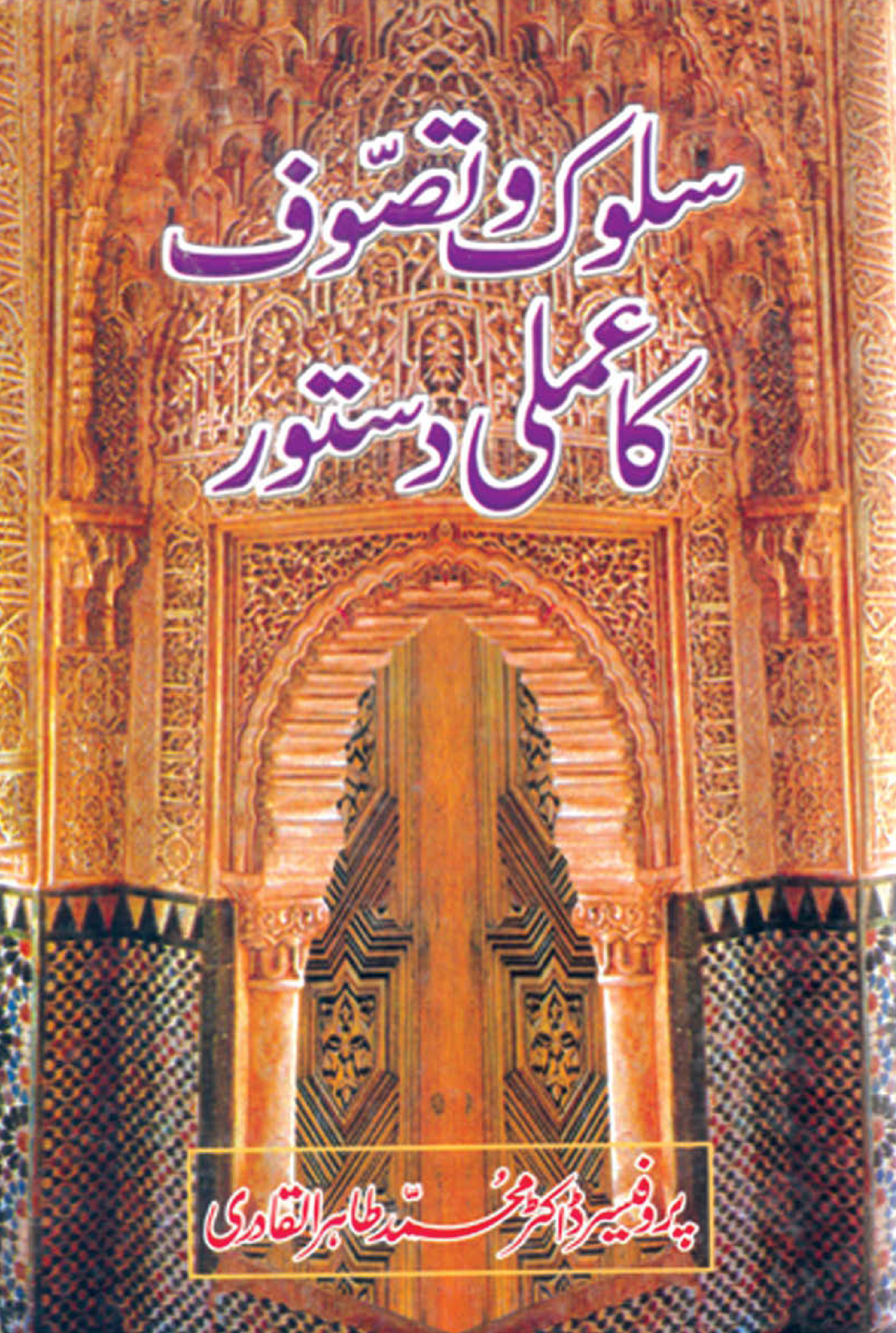

سلوکِ وتصوّف کا عملی دستور

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

سُلوک و تصوّف

کا

عملی دستُور

(رُوحانی تربیّت کی گائیڈ بُک)

◎

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

◎

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : سلوک و تصوف کا عملی دستور

تصنیف : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

پروف ریڈنگ : محمد افضل قادری

زیرِ اہتمام : فریدِ ملّت ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اوّل ہشتم : فروری 1996ء تا مئی 2004ء (14,600)

اِشاعتِ نہم : اکتوبر 2005ء (1,100)

اِشاعتِ دہم : ستمبر 2006ء (1,100)

اِشاعتِ یازدہم : مئی 2008ء (1,100)

اِشاعتِ دوازدہم : جون 2009ء

تعداد : 1,100

قیمت امپورٹڈ پیپر : -/125 روپے

ISBN 969-32-0431-X

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَوْلَاے صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی-۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ ای جنرل وایم ۴/۰۷۹-۳-۷ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۱۱۴۴۴-۶۷ این-۱/۱ اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	باب ۔ 1	
	تصوف و احسان اسلامی تاریخ کے آئینہ میں	۱۱
	دین اسلام کی دو حیثیتیں اور اس کی حفاظت کے دو وعدے	۲۰
	باب ۔ 2	
	اصولہائے تصوف عہد رسالت اور عہد صحابہ میں	۲۵
	بعض اصولہائے تصوف اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	۲۷
	۱۔ اونی خرقہ کا پہننا	۲۸
	۲۔ خلوت نشینی۔	۲۹
	۳۔ ذکر اسم ذات و نفی و اثبات۔	۳۱
	ذکر اسم ذات	۳۱
	ذکر نفی و اثبات	۳۱
	۴۔ طعام، منام اور کلام میں تخفیف۔	۳۲
	۵۔ ذوق سماع	۳۴
	بعض اصولہائے تصوف اور سنت صحابہ	۳۵
	۱۔ بیعت	۳۷
	۲۔ صحبت و تعظیم مرشد	۳۹
	۳۔ مجالس ذکر و فکر	۴۱
	۴۔ تصور شیخ	۴۲
	۵۔ لباس صوف	۴۳
	۶۔ اصحاب صفہ۔ پہلی جماعت صوفیہ	۴۴
	باب ۔ 3	
	تصوف و سلوک کے پانچ ابتدائی تقاضے۔	۴۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	سلوک و احسان کے پانچ بنیادی تقاضے	۴۹
	۱۔ حصول علم اور طاعت حق۔	۵۰
	۲۔ ارادت شیخ۔	۵۴
	ہدایت کیلئے پیکر محسوس کی ضرورت۔	۵۵
	مرتبۂ احسان تک رسائی کا ذریعہ	۵۶
	سالک کے لئے چند بنیادی ہدایات	۶۵
	۳۔ کلام، طعام اور منام میں تخفیف (مجاہدۂ نفس کا پہلا قدم)	۶۵
	۴۔ کثرت ذکر و عبادت	۶۷
	زیارت قبور	۶۸
	آداب ذکر	۶۹
	ذکر نفی و اثبات	۷۰
	طریقہ ذکر	۷۰
	چار انواع ذکر	۷۲
	حلقہ ذکر کا قیام	۷۶
	۵۔ تفکر و مراقبہ۔	۷۸
	باب۔ 4	
	تصوف و احسان اور انسانیت کی چار بنیادی خصلتیں	۸۳
	تصوف کی حقیقت	۸۵
	۱۔ پہلی خصلت .... طہارت	۸۶
	۲۔ دوسری خصلت .... خشوع و خضوع	۸۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	۳۔ تیسری خصلت .... سماحت	۸۸
	۴۔ چوتھی خصلت .... عدالت	۸۹
	باب۔ 5	
	ساتنسبتوں کا بیان	۹۵
	۱۔ نسبت طہارت	۹۵
	۲۔ نسبت طاعت (نسبت سکینہ)	۹۸
	نسبت طاعت کا پہلا شعبہ --- حلاوت مناجات	۹۸
	نسبت طاعت کا دوسرا شعبہ --- شمول رحمت	۹۹
	نسبت طاعت کا تیسرا شعبہ --- انوار اسمائے الٰہیہ	۱۰۲
	۳۔ نسبت اویسیہ	۱۰۳
	عالم ارواح میں ارواح کے کئی طبقات ہیں	۱۰۵
	i ۔ ملاء اعلیٰ کا طبقہ	۱۰۵
	ii ۔ ملاء سافل کا طبقہ	۱۰۵
	iii ۔ ارواح مشائخ کا طبقہ	۱۰۶
	۴ ۔ نسبت یاداشت ...... نسبت معرفت	۱۰۸
	۵۔ نسبت عشق	۱۱۱
	۶۔ نسبت وجد	۱۱۲
	۷۔ نسبت توحید	۱۱۴
	باب۔ 6	
	سات نفوس کا بیان۔	۱۱۷
	۱۔ نفس امارہ۔	۱۱۹
	نفس امارہ کی صفات	۱۱۹

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۲۱	خواب میں نفس امارہ کی مثالی صورتیں	
۱۲۱	مثالی صورتوں کی تعبیرات	
۱۲۲	نفس امارہ سے خلاصی پانے کیلئے مؤثر ذکر (پہلا وظیفہ)	
۱۲۴	عدد ذکر بصورت خلوت	
۱۲۴	نفس امارہ کا جدول	
۱۲۴	۲۔ نفس لوامہ	
۱۲۵	نفس لوامہ کی صفات	
۱۲۶	خواب میں نفس لوامہ کی مثالی صورتیں	
۱۲۶	مثالی صورتوں کی تعبیرات	
۱۲۷	نفس لوامہ سے آگے ترقی کرنے کیلئے مؤثر ذکر (دوسرا وظیفہ)	
۱۲۸	عدد ذکر بصورت خلوت	
۱۲۸	نفس لوامہ کا جدول	
۱۲۹	۳۔ نفس ملہمہ	
۱۲۹	نفس ملہمہ کی صفات	
۱۲۹	خواب میں نفس ملہمہ کی چند مثالی صورتیں	
۱۳۰	مثالی صورتوں کی تعبیرات	
۱۳۰	ایک اہم وضاحت طلب نکتہ	
۱۳۱	نفس ملہمہ سے آگے ترقی کرنے کیلئے مؤثر ذکر (تیسرا وظیفہ)	
۱۳۲	عدد ذکر بصورت خلوت	
۱۳۲	نفس ملہمہ کا جدول	

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۳۳	۴۔ نفس مطمئنہ۔	
۱۳۳	نفس مطمئنہ مقام ولایت ہے	
۱۳۵	ولایت صغریٰ سے آگے دو راستوں کا انفتاح	
۱۳۸	نفس مطمئنہ کی صفات	
۱۳۸	خواب کی مثالی صورتیں	
۱۳۸	ایک اہم نکتہ کی وضاحت	
۱۴۰	مثالی صورتوں کی تعبیرات	
۱۴۰	ایک اہم وضاحت طلب نکتہ	
۱۴۰	نفس مطمئنہ کے مقام پر مؤثر ذکر (چوتھا وظیفہ)	
۱۴۱	عدد ذکر بصورت خلوت	
۱۴۱	نفس مطمئنہ کا جدول	
۱۴۲	۵۔ نفس راضیہ	
۱۴۳	نفس راضیہ کی صفات اور انکی مثالی صورتیں	
۱۴۳	نفس راضیہ کے مقام پر مؤثر ذکر۔ (پانچواں وظیفہ)	
۱۴۴	نفس راضیہ کا جدول	
۱۴۴	۶۔ نفس مرضیہ	
۱۴۵	نفس مرضیہ کی صفات اور انکی مثالی صورتیں	
۱۴۶	نفس مرضیہ کے مقام پر مؤثر ذکر (چھٹا وظیفہ)	
۱۴۶	نفس مرضیہ کا جدول	
۱۴۷	۷۔ نفس کاملہ (صافیہ)	
۱۴۷	جنت کی اقسام	
۱۴۷	۱۔ جنت الماویٰ	

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۴۸	۲۔ جنت النعیم	
۱۵۱	۳۔ جنت الفردوس	
۱۵۲	۴۔ القربہ	
۱۵۵	نفس کاملہ صافیہ کی صفات اور مثالی صورتیں	
۱۵۵	نفس کاملہ صافیہ کیلئے مؤثر ذکر۔ (ساتواں وظیفہ)	
۱۵۶	نفس کاملہ صافیہ کا جدول	
۱۵۶	ضروری ہدایت	
۱۵۶	نفس کاملہ مقام محمدیت اور حضرت اُلوہیت	

باب - ۱

تصوف واحسان اسلامی تاریخ کے آئینہ میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

قرآن وحدیث اور عہد صحابہ وتابعین کی طرف اگر رجوع کیا جائے اور کتاب وسنت کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے ایک اہم رکن کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہے اور اس کو "تزکیہ" سے تعبیر کرتا ہے اور ان چار ارکان میں اس کو شامل کرتا ہے جن کی تکمیل حضور ﷺ کے منصب نبوت سے متعلق اور مقاصد بعثت میں شامل تھی۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ○ (الجمعہ، ۶۲:۲)

"وہی ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے، اور سکھلاتا ہے کتاب اور دانائی، اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں"۔

تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رذائل سے پاک وصاف کیا جائے، مختصر الفاظ میں تزکیہ کی وہ شکل جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہم کو صحابہ کرام کی زندگی میں نظر آتی ہیں اور ان کے اخلاص اور اخلاق کے آئینہ دار ہیں، وہ تزکیہ جس کے نتیجے میں ایسا صالح پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا، جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، اور ایسی عدل پسند اور حق پرست حکومت قائم ہوئی جس کی مثال روئے زمین پر کہیں اور نہ مل سکی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زبان نبوت اسلام وایمان کے ساتھ ایک خاص درجہ اور مرتبہ کا ذکر کرتی ہے، اور اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے جس سے مراد یقین واستحضار کی وہ کیفیت ہے جس کے لئے ہر صاحب ایمان کو کوشاں ہونا چاہیے اور جس کا شوق ہر مرد مومن کے دل میں موجزن ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ "احسان" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس کو دیکھ

رہے ہو' اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے" (بخاری و مسلم)

جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال واحوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم تھے' ایک کا تعلق افعال و حرکات اور امور محسوسہ سے تھا' مثلاً قیام و قعود' رکوع و سجود' تلاوت و تسبیح' اذکار وادعیہ' احکام ومناسک۔ فن حدیث نے اس کی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی' علم فقہ نے اس سے مسائل وجزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا اور محدثین اور فقہاء امت نے (اللہ تعالیٰ ان کو اس کار عظیم کا بہترین صلہ عطا فرمائے) دین کو اس طرح محفوظ کردیا کہ امت کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔

دوسری قسم وہ ہے' جس کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے' جو ان افعال وحرکات کے ساتھ لازم وملزوم ہیں' اور جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قیام وقعود' رکوع وسجود' ذکر ودعاء' وعظ ونصیحت' گھر کے ماحول' میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں' ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص واحتساب' صبر وتوکل' زہد واستغناء' ایثار وسخاوت' ادب وحیاء خشوع وخضوع' انابت وتضرع' دعا کے وقت شکستگی' دنیا پر آخرت کو ترجیح' رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق' اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات' اور ایمانی اخلاق سے کرسکتے ہیں' جن کی حیثیت جسم انسانی میں روح کی اور ظاہر میں باطن کی ہے۔ پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت جزئیات اور آداب واحکام ہیں' جنہوں نے اس کو ایک مستقل علم اور علیحدہ فقہ کا درجہ دیا ہے' چنانچہ اگر اس علم کو جو اول الذکر کی شرح وتفسیر سے متعلق ہے' فقہ ظاہر کہا جاسکتا ہے' تو وہ علم جو ان کیفیات کی تشریح کرتا اور ان کے حصول کے لئے رہنمائی کرتا ہے "فقہ باطن" قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہی تزکیہ واحسان کا نظام اصطلاحاً تصوف کہلاتا ہے۔

ہر زمانہ میں ایسی طاقتور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں تلاوت آیات' تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفوس کا کام کریں۔

وہ انقطاع نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا فرض انجام دیں اور امت مسلمہ کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جوڑ سکیں اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعہ ہر مسلمان نے کیا ہے' اور اطاعت وفرمانبرداری' نفس اور شیطان کی مخالفت' اپنے معاملات میں خدا اور رسول ﷺ کی عدالت سے فیصلہ کرانے' طاغوت کے انکار اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور اس عہد کی تجدید اپنا شعار بنائیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا' اس لئے کہ خلافت راشدہ کے بعد خلفاء وسلاطین اسلام نے اس کام کو فراموش کر کے صرف فتوحات وٹیکس اور جزیہ کی وصولیابی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بیعت خلافت کے انعقاد سے دلچسپی باقی رکھی تھی' علماء بھی اصلاح سے عاجز تھے' وہ وعظ ونصیحت' درس وتدریس' تصنیف وتالیف میں ایسے منہمک تھے کہ کسی اور چیز کو سوچنے کی بھی انہیں فرصت نہ تھی' اس کے علاوہ اگر یہ اس کا ارادہ بھی کرتے تو بھی یہ بات ان کے بس کی نہ تھی' اس لئے کہ ان کی زندگی عوام کے سامنے تھی' اور وہ جانتے تھے کہ ان میں زہد واخلاص اور خلافت نبوت کے علامات اور اثرات کتنے کم اور شاذونادر نظر آتے ہیں' غرض کہ اس طرح عام اور خاص ہر طبقہ میں دینی شعور اور دینی حس کمزور اور مضمحل ہوتی رہی' اور رفتہ رفتہ وہ یہ بھولنے لگے کہ اسلام درحقیقت بندہ اور اس کے رب کے درمیان عہد ومیثاق اور بیع وشرا ہے' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہو گئے' اور خواہش نفس کو بالکل چھوٹ دے دی' ان کی حالت بھیڑوں کے اس گلہ کی سی ہو گئی جس کا نہ کوئی چرواہا ہو نہ مقصد! عبادت کا شوق' درجہ احسان اور حلاوت ایمان کے حصول کا جذبہ سرد پڑنے لگا ہمتیں پست ہو گئیں' عزائم خوابیدہ ہو گئے اور عام طور پر لوگ (سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا) بہت بے تابی اور جنون کے ساتھ لذات اور خواہشات پر ٹوٹ پڑے۔

آخر کار اسلامی خلافت میں روح خلافت اور امانت نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ

حکومت و سیاست بن کر رہ گئی جس کا کام صرف ٹیکس وصول کرنا تھا' اس وقت توسیع اسلامی مملکت میں ہر طرف رسول اللہ ﷺ کے سچے نائب اللہ کے مخلص اور اہل حق کھڑے ہو گئے اور ان کی دعوت و صحبت کے اثر سے تمام لوگ اسلام کے میثاق و عہد میں از سرنو داخل ہونے لگے' وہ فہم و ارادہ' شعور و احساس کے ساتھ اس نئے عالم میں داخل ہو رہے تھے' جب کہ اسلام کو انہوں نے عادتاً اور وراثتاً قبول کیا تھا اپنی تعلیم و تربیت سے انہوں نے ایمان اور لذت انسانی کی تجدید کی' اور نفس کے تسلط' خواہشات کی اسیری اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر عبادات و طاعات' دعوت الی اللہ اور راہ حق میں جہاد کی طرف متوجہ ہو گئے۔

پھر ان کے جانشینوں اور شاگردوں میں اور ان سب لوگوں میں جنہوں نے دعوت میں ان کی پیروی کی' دعوت اسلامی کے ایسے علمبردار اور تربیت اسلامی کے امام فن (درمیانی اور آخری صدیوں میں) پیدا ہوئے جنہوں نے روح اسلامی اور شعور ایمانی کی بقا و حفاظت' دعوت و جہاد کے شوق اور خواہشات و ترغیبات کے مقابلہ کے میدان میں بہت اہم خدامات انجام دیں' اگر وہ نہ ہوتے تو مادیت جو حکومتوں اور تہذیبوں کے راستے پر حملہ آور تھی' پوری امت مسلمہ پر اپنا تسلط جما لیتی' اور زندگی و محبت کی چنگاری بالکل سرد پڑ جاتی' ان لوگوں کی وجہ سے ایسے دور دراز ملکوں میں جہاں اسلامی افواج اور مجاہدین کے قدم نہیں پہنچے تھے' اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی' ان کے ذریعہ سے اسلام کو افریقہ کے تاریک براعظم' انڈونیشیا' جزائر بحرالہند' چین اور ہندوستان میں فروغ حاصل ہوا۔

اور پھر اس زمانہ اور ان مایوس کن حالات میں جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے عالم اسلام کو زیروزبر کر دیا اور اس کو تاراج کر کے رکھ دیا' جہاد اور مقابلہ کی طاقت بالکل ختم ہو گئی' اور کسی میں ان کے سامنے آنے کی ہمت باقی نہ رہی' مایوس ہو کر مسلمانوں نے تلوار اپنے نیام میں رکھ لی اور ان کو یقین ہو گیا کہ تاتاریوں کو

شکست دینا ناممکن ہے، اور عالم اسلام کی تقدیر میں اس نیم وحشی قوم کی غلامی لکھ دی گئی ہے، اور اب اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، اس وقت یہی مخلص دین کے داعی تھے، (جن میں سے اکثر کے نام تاریخ دعوت واصلاح کی دور بین اور عقابی نظر سے بھی اوجھل رہے) جو ان سخت دل اور سخت جان وحشی انسانوں میں گھسے اور ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ان کے دلوں میں ان کی محبت اور قدر پیدا ہو گئی، اور پھر کثیر تعداد میں وہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے، تاتاریوں کے اس غلبہ وکامرانی پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کی بڑی تعداد اسلام کے آغوش میں آگئی، اور وہ اسلام کے پاسبان اور محافظ بن گئے اور ان میں بڑے بڑے فقیہ، عابد وزاہد، علماء اور مجاہد پیدا ہوئے۔

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو مسلم سوسائٹی بہت عرصہ ہوا دم توڑ چکی ہوتی، اور مادیت کی سرکش اور گرم لہر اس کے بچے کھچے ایمان اور یقین کا خاتمہ کر دیتی، قلوب کا اللہ تعالیٰ سے زندگی کا روحانیت سے، معاشرہ کا اخلاق سے رشتہ منقطع ہو جاتا، اخلاص واحتساب ختم ہو جاتا، اور باطنی امراض کی کثرت ہوتی، قلوب ونفوس کی بیماریاں پھیلتیں اور طبیب نہ ملتا، لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑتے اور اہل علم جاہ ومنصب اور مال ودولت کے پیچھے دوڑتے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، حرص وطمع کا ان پر کلی تسلط ہوتا، غرضیکہ دین کا وہ شعبہ جو نبوت کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ ہے (یعنی تزکیۂ نفوس اور فقہ باطن) بالکل معطل ہو جاتا۔

گزشتہ دو ایک صدیوں سے جب سے امت مسلمہ کے سیاسی، اقتصادی، سماجی، علمی اور اخلاقی حالات دوبارہ استعماری سازشوں اور مسلم معاشروں کے مؤثر افراد کی عیاشیوں اور بدکرداریوں کے باعث مضمحل اور تباہ ہوئے ہیں اس باب میں

ایک دردانگیز خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہمارے معاشرہ میں واقع ہو گیا ہے، جلد پر کیا جائے، اور حقیقی تصوف و سلوک تزکیہ و احسان اور فقہ باطن کو پھر سے تازہ کیا جائے، جس طرح ہمارے اسلاف نے اس کو اپنے اپنے زمانہ میں تازہ کیا تھا، اور یہ سب منہاج نبوت اور کتاب اور سنت کی روشنی میں ہو، بہرحال ہر دور میں اور ہر جگہ مسلمان بستے ہوں، یہ کام ضروری ہے، اس لئے کہ حقیقت میں یہ خلا ایک عظیم خلا ہے اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات اور نتائج بہت دور رس ہیں۔

تزکیۂ نفس و تہذیبِ اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی، نفس و شیطان کے دجل و فریب کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسبت باطنی کے حصول کے ذرائع و طرق کی تشریح و ترتیب جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے تھی، اور جس کا عرفی و اصطلاحی نام بعد میں "تصوف" پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ تک پہنچا دیا، اور اس کو دین کی بڑی خدمت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب و نفوس کی مردہ کھیتیوں کو زندہ کیا، اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلص علماء ربانیین اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل و عریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند اور براعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان و یقین اور عمل صالح کی روح پھونکی، اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

جیسا کہ حدیث متواتر کی تعریف اور اس کے قطعی الثبوت ہونے کی دلیل میں اہل اصول کہتے ہیں کہ "اتنی بڑی تعداد نے ہر زمانہ میں اس کی روایت کی ہو کہ عقل سلیم اور انسانی عادات اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں کہ اتنے کثیر انسانوں نے غلط بیانی اور افتراء پردازی پر اتفاق کر لیا ہے' اور یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے" تاریخ کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرنِ ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع اور بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے خدا کے کثیر التعداد مخلص بندوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیا' اور اس کی دعوت دی' خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور ساری زندگی اس کی اشاعت میں مشغول و سرگرم رہے' اور ان کو اس کی صحت و افادیت کے بارے میں پورا یقین و اطمینان حاصل تھا' وہ اپنے ماحول و معاشرہ کا خلاصہ اور عطر تھے' اور نہ صرف اپنی راست بازی' خلوص و بے غرضی' پاک نفسی اور نیک باطنی میں بلکہ کتاب و سنت کے علم' سنت سے محبت و عشق اور بدعات سے نفرت و کراہت میں بھی اپنے معاصرین میں فائق اور ممتاز تھے' ایک دو کا یا دس پانچ کا کسی غلط فہمی یا سازش کا شکار ہو جانا ممکن ہے' اور بعید از قیاس نہیں لیکن لاکھوں انسانوں کا جو اپنے علم و عمل میں بھی امت کی صف اوّل میں نظر آتے ہیں' علی سبیل التواتر صدیوں تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہنا' اس پر اصرار کرنا' اور اس کی دعوت دینا' اس پر پورے عزم و استقامت کے ساتھ قائم رہنا خلاف عقل اور خلاف عادت بات ہے' پھر ان کے انفاس قدسیہ سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا ہدایت یافتہ اور فیض یاب ہونا اور اعلیٰ باطنی و روحانی کمالات تک پہنچنا خبر متواتر ہے' جس کا انکار ممکن نہیں عقلاً و عادتاً یہ بات بالکل ناممکن ہوتی ہے کہ زمانی و مکانی اختلاف کے باوجود صادقین و مخلصین کا یہ گروہ عظیم متواتر و مسلسل طریقہ پر ایک غلط فہمی میں مبتلا رہا' اور اللہ تعالیٰ نے بھی جو رحیم و حکیم اور ہادی مطلق ہے' اور جس کا وعدہ ہے کہ:-

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○
(العنکبوت ۲۹:۶۹)

"اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں بڑے بڑے مجاہدے اور کوششیں کیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے صحیح راستوں پر لگا دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ ہمت وصداقت کے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ان کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک نہیں کیا' اور ان کی دستگیری نہیں فرمائی' آپ تاریخ اسلام میں سے ان صادقین ومخلصین کو جن میں ایک ایک آدمی اپنے عہد کا گل سرسبد' منارۂ نور اور نوع انسانی کے لئے شرف وعزت کا باعث ہے' نکال کر دیکھیں کہ ان کے بعد کیا رہ جاتا ہے' اور اگر ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو پھر کون سی جماعت لائق اعتماد اور سرمایہ افتخار ہو گی؟

(اقتباس از "تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

دین اسلام کی دو حیثیتیں اور اس کی حفاظت کے دو وعدے

ہم یہاں پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کلام اختصار کے ساتھ نقل کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے ہمعات کے شروع میں کیا ہے۔ وہ بڑا مفید مطلب ہے' آپ فرماتے ہیں کہ!

اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کو انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا اور دین کے قیام اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں آپ ﷺ سے مدد ونصرت کا وعدہ کیا۔

آپ ﷺ سے قرآن مجید میں دو وعدے کئے گئے۔

۱۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

"ایک یہ کہ اس دین کو ادیان عالم پر غالب کیا جائے گا۔"

۲۔ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ — دوسرا یہ کہ اس دین کی حفاظت کی جائے گی۔

یعنی دین کی اقامت کا وعدہ اور دین کی حفاظت کا وعدہ' چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اس مدد و نصرت سے آپ ﷺ کا دین تمام ادیان پر غالب آیا۔ اس دین کی اشاعت سے دراصل مقصود یہ تھا کہ عرب و عجم کے رہنے والوں کی اصلاح ہو اور ظلم و فساد کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے۔

پہلے وعدہ الٰہی کی تکمیل کے لئے ریاست مدینہ کا قیام عمل میں آیا' غزوات و سرایا ہوئے' فتح مکہ اور عرب کی فتوحات ہوئیں' بلاد روم' شام اور ایران فتح ہوئے' الغرض عہد رسالت' عہد خلافت راشدہ اور اس کے بعد دین اسلام کا تمکن واقتدار دنیا میں بڑھتا چلا گیا۔ یہ ذمہ داری خلفاء اسلام اور امراء و سلاطین اسلام کے ذریعے پوری کرائی گئی اور جہاں تک حفاظت دین کے (دوسرے) وعدہ کی تکمیل کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ دین محمدی کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ دین کی ظاہری حیثیت کا مقصود مصلحت عامہ کی نگہداشت اور اس کی دیکھ بھال ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ احکام و معاملات جو اس مصلحت عامہ کے لئے بطور ذرائع و اسباب کے ہیں۔ ان کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اور ان کی اشاعت میں کوشش کی جائے۔ جن چیزوں سے مصلحت عامہ پر زد پڑتی ہو اور جن امور کی وجہ سے اس مصلحت عامہ میں تحریف ہوتی ہو' ان کو سختی سے روکا جائے۔ یہ تو ہوئی دین کی ظاہری حیثیت اب رہا اس کی باطنی حیثیت کا معاملہ۔ نیکی و طاعت کے کاموں سے دل پر جو اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں' ان کے احوال و کوائف کی تحصیل یہ اس کا مقصود اور نصب العین ہے۔

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ دین کی ظاہری اور باطنی دو حیثیتیں ہیں تو لامحالہ ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ دین کی اقامت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے دین کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا تھا' اس حفاظت کی بھی لازماً دو حیثیتیں ہوں گی اس کی تفصیل

یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وعدہ حفاظت کی دو شکلیں پیدا ہوئیں۔ وہ بزرگ جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت کی حفاظت کی استعداد ملی تھی، وہ تو دین کی ظاہری حیثیت کے محافظ بنے۔ یہ فقہاء محدثین، غازیوں اور قاریوں کی جماعت ہے۔ چنانچہ ہر زمانے میں اہل ہمت کی یہ جماعت مصروف عمل نظر آتی ہے۔ دین کی تحریف کی اگر کہیں سے کوشش ہو تو یہ لوگ اس کی تردید میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تعلیم و ترغیب کے ذریعے یہ بزرگ مسلمانوں کو علوم دین کی تحصیل کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور ان ہی میں سے ہر سو سال کے بعد ایک مجدد پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے دین کی تجدید ہوتی ہے۔ ہمیں یہاں چونکہ اس مسئلے کی تفصیل مقصود نہیں، اس لئے صرف اس اشارے پر اکتفا کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

دین کے محافظین کا دوسرا گروہ وہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے باطن دین کی حفاظت، جس کا دوسرا نام "تصوف و احسان" ہے کی استعداد عطا فرمائی۔ ہر زمانے میں اس گروہ کے بزرگ عوام الناس کے مرجع رہے ہیں۔ طاعت و نیکوکاری کے اعمال سے باطن نفس میں جو اچھے اثرات مترتب ہوتے ہیں اور دلوں کو ان سے جو لذت ملتی ہے، یہ بزگ لوگوں کو اس امور کی دعوت دیتے ہیں۔ نیز یہ انہیں نیک اخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر زمانے میں اولیاء اللہ میں مختلف زمانوں میں ایسے بزرگ ضرور پید ہوتے رہے ہیں جن کو عنایت الٰہی سے اس امر کی استعداد ملتی ہے کہ وہ باطن دین کے قیام اور اس کی اشاعت کی کوشش کریں۔ باطن دین جو دین کا مغز اور نچوڑ ہے، اس کی حقیقت "احسان" ہے یعنی اللہ کی اس یقین کے ساتھ عبادت کرنا گویا عبادت کرنے والا اسے سامنے دیکھ رہا ہے یا اگر اتنا نہ ہو تو اسے یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس صفت "احسان" کے مظہر بنتے ہیں اور باطن دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ میں جو بزرگ اس صفت "احسان" کے مظہر بنتے ہیں ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں ان کی رفعت شان کا عام چرچا ہوتا ہے۔ خلقت ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہے، ہر شخص ان کی تعریف کرتا ہے نیز جو اذکار اور وظائف ملت اسلامیہ میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں ان میں بعض ایسے ہیں جن سے لوگوں کو فطری مناسبت ہوتی ہے ان کے دل میں وارد ہوتے ہیں ان کی صحبت اور باتوں میں جذب و تاثیر کی غیر معمولی قوت ہوتی ہے اور ان سے ہر طرح کی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ غرضیکہ وہ بزرگ کشف و کرامات کے ذریعے لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے دنیا کے بعض معمولات میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کی دعائیں بارگاہ حق میں مقبول ہوتی ہیں۔ یہ اور اس قبیل کی اور کرامات ان کی ہمت و برکت سے معرض وجود میں آتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریدوں اور طالبوں کی ایک کثیر جماعت ان کے اردگرد جمع ہو جاتی ہے اور وہ باطن کی تہذیب اور اس کی اصلاح کے لئے اوراد و مشاغل کو نئے سرے سے ترتیب دیتے ہیں۔ یہاں سے ان کے خانوادۂ طریقت کی بنیاد پڑتی ہے اور لوگ ان کے سلسلہ پر چلنے لگتے ہیں ان کے سلاسل کی تاثیر و برکت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ طالب اور مرید بہت جلد اس سلسلہ کے ذریعے اپنی مراد کو پہنچ جاتے ہیں۔

دین میں ظاہری تجدید کی طرح یہ بھی باطنی تجدید کا عمل ہوتا ہے جو مختلف زمانوں میں جاری رہتا ہے جیسے ظاہری دین کی خدمت کے باب میں مذاہب اور مسالک وجود میں آتے ہیں اسی طرح باطن دین کی خدمت کے باب میں سلاسل اور طرق وجود میں آتے ہیں۔ ان سلاسل کی تعلیمات اور اورادو مشاغل اور وظائف و اذکار میں جو فرق ہوتا ہے اس کی مثال علمی اعتبار سے تو مذاہب کے فقہی اختلاف کی سی ہے مگر عملی اعتبار سے مختلف طبیبوں اور معالجوں کے نسخوں کے اختلاف کی سی ہے اور اس کی وجہ لوگوں کے روحانی مزاجوں اور نفسی طبیعتوں میں فرق و اختلاف کا پایا جانا ہے۔ مقصود سب کا ایک ہی ہے۔

باب ۔ 2

اُصولہائے تصوف عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں

اسلامی معاشرے کی تشکیل نبی اکرم ﷺ کے وجود مسعود سے ہوئی۔ یہ بعثت نبوی کی برکت تھی کہ جس نے انسانوں کو دولت اسلام سے سرفراز کیا اور پھر انہیں باقاعدہ معاشرتی زندگی عطا کی۔ تاریخ اسلام میں جن تین ادوار کو اسلامی معاشرے کے مثالی وزریں ادوار کی حیثیت حاصل ہے وہ عہد رسالت' عہد صحابہ اور عہد تابعین ہیں۔ احادیث رسول بھی اسی امر کی تصدیق و تائید کرتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال ﷺ خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم
(صحیح بخاری' ۱: ۳۶۲)

"حضور ﷺ نے فرمایا بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ جو ان سے متصل بعد ہوں گے پھر ان کے بعد کے لوگ"۔

قال خیر امتی القرن الذین یلونی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم
(صحیح مسلم' ۲: ۳۰۹)

"بہترین زمانہ ان کا ہے جو میرے زمانے سے متصل ہیں پھر ان کا جو ان سے ملحق ہوں گے پھر ان سے متصل لوگوں کا"

بعض اُصولہائے تصوف اور سنت نبوی ﷺ

عہد رسالت کے بیان میں ہم صرف سنت نبوی کے بیان پر اکتفا کریں گے تاکہ یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اصول تصوف سنت نبوی سے ماخوذ ہیں۔

حضور ﷺ کی ساری حیات طیبہ **(ماقبل البعثت و مابعدھا)** عالم انسانیت کے لئے دائمی نمونۂ عمل اور لائق اتباع و تقلید ہے۔ قرآن کی یہ آیات اس مؤقف کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس' ۱۰:۱۶)

"میں تم میں عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں کیا تم عقل نہیں رکھتے۔"

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب' ۳۳:۲۱)

"البتہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے"۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ ہر کام کسی خاص مقصد کے لئے کیا جاتا ہے۔ روٹی اسی لئے کھائی جاتی ہے کہ بھوک ختم ہو اگر انسان پہلے ہی سے شکم سیر ہو اسے روٹی کی حاجت نہیں۔ دوا اسی لئے استعمال کی جاتی ہے تاکہ انسان شفایاب ہو' اگر وہ پہلے ہی سے صحت مند و تندرست ہو تو اسے دوا کی احتیاج نہیں' اسی طرح صوفیانہ ریاضت و مشقت کی غرض بھی یہ ہوتی ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن ہو' اگر انسان پہلے ہی نفس کی آلودگیوں اور باطن کی آلائشوں سے منزّہ و مبّرا ہو کر تزکیہ و تصفیہ کے منتہائے کمال پر فائز ہو تو اسے سالک طریقت بننے کی ضرورت نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی مقام کی ابتداء بھی طریقت و ولایت کے انتہائی مقام سے ماوراء تھی تو آپ کیونکر صوفیانہ زندگی کا التزام کرتے۔ لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے لئے ہر پسندیدہ حکم کا عملی نمونہ پیش کرنا تھا اس لئے آپ نے سلوک و تصوف کے اصول وضع فرمائے اور اپنی زندگی میں عملاً ان کا نفاذ بھی فرمایا۔ انہیں اصولوں کو صوفیائے کرام نے اپنا معمول بنایا۔ یہاں چند صوفیانہ معمولات کا جائزہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔

۱) اُونی خرقہ کا پہننا

گو اونی لباس پہننا دراصل تصوف کی لازمی شرط نہیں ہے تاہم طبقۂ اُولیٰ و وسطیٰ کے صوفیہ اظہارِ عجز و نیاز اور ریاضت و مجاہدہ کے لئے اسی لباس کو پسند کرتے اور پہنتے تھے تصوف اور صوفی کی ایک وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس کی بنا پر انہیں

"صوفی" کے نام سے موسوم کیا گیا ان کا یہ معمول بھی سنت نبوی ﷺ سے ماخوذ تھا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فغسل وجھہ و یدیہ و علیہ جبۃ من صوف

(صحیح بخاری، ۲: ۸۶۳)

"پھر آپ نے اپنے چہرہ اقدس اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اس وقت آپ نے اونی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔"

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لبس رسول اللہ الصوف

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۳)

"حضور ﷺ نے اونی لباس پہنا۔"

کان رسول اللہ یلبس ثیابا من صوف (المواھب اللدنیہ: ۵۷)

"حضور ﷺ اونی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔

قالت صنعت لہ ثوبا من صوف فلبسہ

(سفر السعادہ: ۱۲۲)

"میں نے حضور ﷺ کے لئے صوف کے کپڑے بنائے جو آپ نے پہنے۔"

۲) خلوت نشینی

بچپن سے ہی حضور ﷺ کی طبیعت خلوت کی طرف مائل تھی۔ علامہ حلبی حضور ﷺ کے اس میلان عزلت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں:

الف ﷺ العبادۃ و الخلوۃ فی حایل کونہ طفلا

(السیرۃ الحلبیہ، ۱: ۳۸۲)

"حضور ﷺ کو بچپن ہی سے عبادت اور خلوت سے انس تھا۔"

لیکن جب زمانہ بعثت قریب آیا تو ذوق خلوت پسندی میں شدید اضافہ ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ثم حبب الیہ الخلاء و کان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ و ھوَ التعبد اللیالی ذوات العدد

(صحیح بخاری، ۱: ۲)

(مشکوۃ المصابیح: ۵۱۳)

"پھر حضور ﷺ کو عزلت نشینی محبوب ہو گئی اور آپ غار حرا میں گوشہ نشین ہو کر تحنُّث (ایک قسم کی عبادت) کیا کرتے تھے۔ جہاں آپ متعدد راتیں عبادت میں مصروف رہتے"

آپؓ فرماتی ہیں:

و حبب اللہ تعالی الیہ الخلوۃ فلم یکن شئی احب الیہ من ان یخلو وحدہ

(سیرت ابن ہشام: ۲۳۴)

"اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دل میں خلوت نشینی کو مرغوب بنا دیا یہاں تک کہ حضور ﷺ کو خلوت نشین رہنے سے زیادہ کوئی کام بھی پسند نہ تھا۔"

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ خلوت نشینی ۳ یا ۷ دنوں پر یا بعض اوقات ۳۰ یا ۴۰ دنوں پر مشتمل ہوتی تھی اور صوفیہ کرام کی چالیس دنوں کی خلوت نشینی (چلہ) اسی حکم کے تابع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، ۵: ۴۰۱)

بقول اقبال ؎

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید
مدتے جز خویشتن کس را ندید
در شبستان حرا خلوت گزید
قوم را آئین و حکومت آفرید

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

از کم آمیزی تخیل زندہ تر
زندہ تر جوئندہ تر پائندہ تر

اس خلوت نشینی میں حضور کی عبادت شریعت ابراہیمی کے مطابق ذکر اور فکر و مراقبہ تھی۔ (شرح سفر السعادہ:۲۶)

۴) ذکر اسم ذات و نفی اثبات

ذکر اسم ذات:

قرآن حکیم کے ذریعے حضور ﷺ کو "ذکر اسم ذات" کی تلقین کی گئی تھی۔

ارشاد ربانی ہوا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل ۷۳:۸)

اور اپنے رب کے نام (اللہ) کا ذکر کیجئے اور سب سے کٹ کر اسی کی طرف ہو جائیے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

اعلم ان علی هذا التاویل فی قوله تعالی واذکر اسم ربک اشاره الی تکریر اسم الذات (تفسیر مظہری ۱۰:۱۱۱)

"معلوم ہوا کہ ارشاد باری تعالیٰ "واذکر اسم ربک" کی مذکورہ تاویل سے اسم ذات کے تکرار کا اشارہ ملتا ہے۔"

ذکر نفی و اثبات:

قرآن حکیم کے ذریعے حضور ﷺ کو "ذکر نفی و اثبات" کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (المزمل ۷۳:۹)

"وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی آیت کے اس حصے کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

فی قولہ تعالیٰ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اشارۃ الی تصور احاطتہ تعالیٰ بالممکنات ذکر النفی والاثبات وکلا التکریرین اساسان لطریقہ ارباب کمالات الولایات

(تفسیر مظہری، ۱۰:۱۱۱)

"ارشاد باری "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" میں ممکنات کے ذریعے اللہ کی ذات کے احاطے کا تصور دل میں پیدا کرنا اور نفی واثبات کے ذکر کا اشارہ ہے بہرصورت یہ ہردو باتیں باب ولایت کے طریقہ کی اساس ہیں"

سلوک وطریقت میں مشائخ اذکار کی یہی تعلیم اپنے مریدین اور طالبین کو دیتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے ذکر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کو افضل الذکر بھی قرار دیا اور اس کے فضائل بیان فرما کر اس کی تلقین فرمائی۔

۴) طعام، منام اور کلام میں تخفیف

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قالت کان یاتی علی آل محمد الشھر ما یری فی بیت من بیوتہ الدخان (سنن ابن ماجہ:۲۱۵)

"فرماتی ہیں کہ آل محمد (ﷺ) پر ایک ایک مہینہ ایسا گزر جاتا کہ ان کے کسی گھر میں دھواں تک نظر نہ آتا۔"

۲۔ آپ سے ہی مروی ہے:

قالت ما شبع رسول اللہ من خبز شعیر یومین متتابعین حتی قبض (جامع الترمذی، ۲:۵۹)

"فرماتی ہیں آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا"۔

۳۔ شیخ ابو طاہر فیروز آبادی" روایت کرتے ہیں:

كان رسول الله يصوم نافلة حتى يظنوا انه لا يفطر
(سفرالسعادہ: ۷۳)

"حضور ﷺ اس تسلسل سے نفلی روزے رکھتے کہ گمان گزرتا کہ اب افطار نہیں فرمائیں گے۔"

۴۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں:

كان يصلي الليل كله فامره ان يخفف على نفسه
(تفسیر معالم التنزیل علی ھامش الخازن، ۴: ۲۱۲)

"حضور ﷺ پوری پوری رات نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ اپنے نفس پر کچھ آسانی کریں۔"

۵۔ ایک اور روایت میں ہے:

كان رسول الله يجتهد في العبادة حتى كان يراوح بين قدميه في الصلاة لطول قيامه
(تفسیر معالم التنزیل علی ھامش الخازن، ۲: ۳۸)

"حضور ﷺ عبادت میں اتنا زیادہ ریاضت و مجاہدہ فرماتے کہ نماز میں طول قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں پر زور ڈالتے کبھی دوسرے پر۔"

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قالت رضی اللہ عنہا قام رسول الله باية من القران ليلة (الشفاء، ۱: ۱۲۶)

"حضور اکرم ﷺ (بعض اوقات) ایک آیت پر (غور و فکر اور اس کے کیف و سرور میں) پوری پوری رات کھڑے رہتے"

ج۔ قلتِ کلام

۷۔ حضور ﷺ قلیل الکلام اور طویل الصمت تھے۔ قاضی عیاضؒ روایت کرتے ہیں:

وكان كثير السكوت لا يتكلم في غير حاجة (الشفاء، ۱: ۱۳۸)

"آپ ﷺ اکثر خاموش رہتے تھے اور بغیر حاجت کے کلام نہ فرماتے تھے"۔

۸۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كان رسول الله طويل الصمت
(مشکوٰۃ المصابیح: ۵۱۲)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہنے والے تھے۔"

۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رايتم الرجل قد اعطى زهدا في الدنيا وقلة المنطق فاقتربوا منه فانه يلقى الحكمة
(سنن ابن ماجہ: ۳۱۱)

"جب تم ایسے شخص کو دیکھو جسے دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام کے اوصاف حاصل ہیں تو اس کا قرب اختیار کرو کیونکہ وہ صاحب حکمت ہے"۔

۵) ذوقِ سماع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید' پاکیزہ اشعار اور نعتیہ کلام کے سماع کے شائق تھے اور محافل میں آپ پر جذب وشوق اور کیف وسرور کی حالت طاری ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعتیہ کلام کے سماع کے لئے باقاعدہ محفل کا اہتمام کرتے اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو نعت پڑھنے کا حکم فرماتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع لحسان منبرا في المسجد يقوم عليه قائما يفاخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم او قالت ينافح و يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يؤيد حسان بروح القدس يفاخر اور ينافح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (جامع الترمذی'
۲، ۱۰۷)(مشکوٰۃ المصابیح: ۴۰۳)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے منبر بچھواتے جس پر وہ کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخر کرتے یا مدافعت کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے فخر کرتے رہیں یا (فرمایا)
مدافعت کرتے رہیں"

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کلام کس قدر عشق انگیز اور وجد آور ہوتا تھا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل دو اشعار سے ہو سکتا ہے۔

واحسن منک لم تر قط عین
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

اسی طرح بعض اوقات قرآن مجید بھی خوش الحان صحابہ کرام سے سماع فرماتے اور اس سے روحانی کیفیت حاصل فرماتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ وزاری' رقت اور خشیت کی کیفیت کیا تھی اور اس کے احوال کیا تھے اس کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض اُصولہائے تصوف اور سنتِ صحابہ

تمام اصولہائے تصوف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی زندگیوں میں کاملاً نظر آتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست آداب طریقت کی تربیت حاصل کی تھی۔ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تعلق اور روحانی تربیت کو اس انداز سے بیان کرتا ہے۔

یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرہ' ۲:۱۵۱)

"جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور

تمہیں وہ (اسرار معرفت وحقیقت)

سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے"

تلاوتِ آیات اور تزکیہ نفس کا باہمی ربط یہ ہے کہ انوارِ تلاوت سے صحابہ کو اپنی پہلی ظلماتِ باطن کا علم ہوتا تھا کیونکہ ہر شے اپنی ضد سے متعارف ہوتی ہے جب انوار تلاوت کا اجالا ہوتا اور صحابہ کرامؓ کو اپنے نفوس میں پوشیدہ امراض کی اطلاع ہوتی تو انہیں تزکیہ وتصفیہ کی فکر وطلب دامن گیر ہو جاتی تھی۔ پس صحابہ میں طلب تزکیہ کے پیدا ہوتے ہی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کرم جلائے باطن میں مصروف ہو جاتی۔ اور جب تزکیہ وتصفیہ کے ذریعے صحابہ کے قلوب مہبطِ انوارِ ربانی اور مخزنِ رموزِ قرآنی بننے کے قابل ہو جاتے تو پھر انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ وہ انداز تربیت تھا جس کے ذریعے صحابہ کرام اپنے مرشد برحق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے منازل سلوک طے کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے زمانے میں چند نسلوں تک اہل کمال کی بیشتر توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی۔ ان لوگوں کو باطنی زندگی کے جملہ مراتب شرعی احکام کی پابندی کے ذیل ہی میں حاصل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کا احسان یعنی حاصل تصوف یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر اور تلاوت کرتے تھے، روزہ رکھتے تھے، صدقہ وزکوۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو سر نیچے کئے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ خدا تعالیٰ سے قرب وحضوری کی نسبت اعمال شریعت اور ذکر واذکار کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل کرنے کی سعی نہ کرتے۔ بے شک ان اہل کمال بزرگوں میں سے جو محقق ہوتے، ان کو نماز اور ذکر واذکار میں لذت ملتی۔ قرآن مجید کی تلاوت سے وہ متاثر ہوتے۔ مثلاً وہ زکوۃ محض اس لئے نہ دیتے کہ زکوۃ دینا خدا کا حکم ہے بلکہ خدا کے حکم کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو بخل کے روگ سے بچاتے۔ چنانچہ جب وہ

اپنے آپ کو دنیاوی کاموں میں بے حد منہمک پاتے اور انہیں اس کا احساس ہوتا تو وہ دل کو کاروبار دنیا سے ہٹانے کے لئے زکوٰۃ دیتے۔ اسی طرح شریعت کے دوسرے احکام بجالانے میں بھی ان کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔

الغرض یہ بزرگ محض خدا کا حکم سمجھ کر شرعی احکام ادا نہ کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان شرعی احکام کی بجا آوری سے ان کے باطنی تقاضوں کی تسکین بھی ہوتی تھی۔

بات یہ ہے کہ وہ نفسی کیفیات، جن کا نتیجہ کرامات وخوارق اور سرمستی وبے خودی کی قبیل کی چیزیں ہوتی ہیں، یہ کیفیات ان بزرگوں کے اندر اتنی راسخ نہ ہوتی تھیں کہ وہ ملکہ بن جاتیں۔ چنانچہ اس ضمن میں جب کبھی ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی تو اِیا تو اس کی صورت یہ تھی کہ وہ جس چیز کو از روئے ایمان صمیم قلب سے مانتے تھے، وہ چیز بے اختیار ان کی زبان پر آ جاتی۔ یا یہ ہوتا کہ یہ بزرگ خواب میں بعض چیزوں کو دیکھ لیتے یا فراست سے نامعلوم چیز کو معلوم کر لیتے۔ یہ ان کا صفائے باطن ہوتا تھا یا یہ کہ ان کے ایمان کی برکت سے ناممکن بھی از خود ممکن بنتے چلتے جاتے۔

مگر بایں ہمہ ان میں سے بعض میں خصوصی ریاضات وعبادات کا رجحان ومعمول بھی تھا اور خصوصی مشاہدات واکتشافات سے بہرہ یاب بھی ہوتے اور ان میں بعض صوفیانہ معمولات بھی پائے جاتے تھے جن میں سے چند ایک کا تذکرہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے۔

۱) بیعت

تمام صحابہؓ کی بیعت براہ راست دست رسول ﷺ پر تھی۔ اس دور میں بیعت کی کئی اقسام مروج تھیں۔ (القول الجمیل للشاہ ولی اللہ دہلوی: ۱۴)

۱۔ بیعت قبول اسلام

۲۔ بیعت الخلافہ

۳۔ بیعتِ اقامتِ ارکانِ دین

۴۔ بیعت التمسک بالسنہ والتقوی

۵۔ بیعت الاجتناب عن البدعات

۶۔ بیعت الہجرۃ

۷۔ بیعت الجہاد

۸۔ بیعت السمع والطاعہ

۹۔ بیعت المحبہ

جو بیعت طریقت و سلوک میں مروج ہے وہ ان بیعات سے قطعاً مختلف نہیں جو صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہیں۔

۱۔ عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

بایعت رسول اللہ ﷺ سبع بیعات خمس علی الطاعۃ واثنتین علی المحبۃ (حیاۃ الصحابہ' ۱:۲۲۲)

"میں نے حضور ﷺ کے دست حق پرست پر سات بیعتیں کیں جن میں سے پانچ اطاعت اور دو محبت پر تھیں۔"

۲۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم" اور ابن عساکر" روایت کرتے ہیں:

قال بایعت النبی ﷺ بیدی ھذہ علی السمع والطاعۃ فیما استطعت (حیاۃ الصحابہ' ۱:۲۳۲)

"فرماتے ہیں میں نے اس ہاتھ سے حضور ﷺ کے ساتھ سمع وطاعت پر بیعت کی ان چیزوں کے بارے میں جن کی میں استطاعت رکھتا تھا۔"

مذکورہ بالا روایات سے واضح ہوا کہ عہد رسالت و صحابہ میں بیعت سے مراد صرف امر خلافت یا قبول اسلام ہی نہ تھا بلکہ دیگر امور میں بھی بیعت کا طریق مروج تھا۔

۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی" بیعت کی مشروعیت کی نسبت رقمطراز ہیں:

فاعلم ان البیعت سنہ ولیست بواجبہ لان الناس بایعوا النبی وتقربوا بہا الی اللّٰہ تعالٰی

(القول الجمیل: ۱۸)

جاننا چاہیے کہ بیعت کرنا سنت ہے، واجب نہیں۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کی بیعت کرتے تھے اور اس سے اللہ کا قرب حاصل کرتے تھے۔

شاہ صاحب کے بیان سے دو امور ثابت ہوئے۔

۱۔ بیعت سنت ہے بدعت نہیں۔

۲۔ بیعت تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے یا بہ الفاظ دیگر "قرب الٰہی کا وسیلہ ہے"

۲) صحبت و تعظیم مرشد

قرآن حکیم صحابہ کرام کی صحبت و معیت کا خصوصی تذکرہ کرتا ہے۔

۱۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا (الفتح ۴۸: ۲۹)

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحمدل ہیں تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں (غرضیکہ ہر طرح سے) اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں"۔

صحابہ کرامؓ اپنے مرشد کامل حضور ختمی مرتبت ﷺ کے آدابِ صحبت سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ حضور ﷺ کے ساتھ کمال درجہ کے آداب اور تواضع و انکساری کا مظاہرہ کرتے تھے۔

۲۔ حضرت ابو جحیفہؓ سے مروی ہے:

قال خرج علینا النبی صلی بالھاجرہ فاتی بوضوء فتوضا

"رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے تو وضو کے

فجعل الناس یاخذون من فضل وضوئہ فیتمسحون بہ
(صحیح بخاری' ۱:۳۱)

لئے آپ کے پاس پانی لایا گیا آپ نے وضو کیا لوگ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر (اپنے چہروں اور آنکھوں پر) ملنے لگے۔"

۳۔ سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے:

یقول ذہبت بی خالتی الی النبی فقالت یارسول اللّٰہ ان ابن اختی وقع فمسح راسی ودعا بالبرکۃ ثم توضا فشربت من وضوئہ
(صحیح بخاری' ۱:۳۱)

"فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بھانجا بیمار ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضو فرمایا اور میں نے آپ کے وضو کا غسالہ پی لیا۔"

صحابہ کرامؓ حصول برکت کے لئے حضور ﷺ کی دست بوسی اور قدم بوسی کرتے تھے۔

۴۔ وازع بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جو "وازع العبدی" کے لقب سے مشہور ہیں ان سے مروی ہے:

قال قدمنا فقیل ذاک رسول اللّٰہ فاخذنا بیدیہ ورجلیہ نقبلها
(الادب المفرد: ۲۵۳)

"فرماتے ہیں کہ ہم آئے تو ہم سے کہا گیا کہ وہ ہیں رسول اللہ ﷺ، ہم نے آپ کے ہاتھ پیر پکڑ لئے اور چومنے لگے"۔

۵۔ امام ابو داؤدؒ' زارعؓ سے روایت کرتے ہیں:

قال قدمنا المدینۃ فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنتقبل ید رسول اللّٰہ

"(حضرت زارع فرماتے ہیں) جب ہم مدینہ پہنچے تو اپنی سواریوں سے جلدی

ورجلہ (مشکوۃ المصابیح: ۳۹۴) — "جلدی اترنے لگے چنانچہ ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا"

۶۔ یہاں تک کہ جن صحابہ کے ہاتھ حضور ﷺ کے دست اقدس سے مس ہوتے دیگر صحابہ اور تابعین ان کے ہاتھ چومتے اور ان کے لئے احتراماً قیام کرتے تھے۔

(الادب المفرد للبخاری: ۲۵۴)

صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں ہدایا تحائف اور نذرانے پیش کرتے اور حضور ﷺ قبول فرمالیتے تھے اور ان کو بھی وقتاً فوقتاً ان سے نوازتے رہتے۔

۳) مجالسِ ذکر و فکر

عہد رسالت و عہد صحابہ میں مجالس ذکر و فکر کا باقاعدہ اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات حالت فکر و مراقبہ میں مکاشفات تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ **حنظلہ اسیدی**ؓ نے مجلس ذکر و فکر کے برخواست ہونے کے بعد وہ خاص روحانی کیفیت جو دوران مجلس حاصل ہوتی تھی قائم نہ رہنے کی شکایت کی۔ تو حضور نے فرمایا:

۱۔ لو کلنت تکون قلوبکم کما تکون عند الذکر لصافحتکم الملائکہ حتی تسلم علیکم فی الطرق (صحیح مسلم، کتاب التوبہ، ۲: ۳۵۵) — "اگر تمہارے دل اسی طرح رہیں جیسے وعظ کے وقت ہوتے ہیں تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں یہاں تک کہ راہوں میں تم کو سلام کریں۔"

۲۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

یظھر علیہ ذالک مع المراقبہ والفکر والاقبال علی الاخرہ (شرح المسلم للنووی، ۲: ۳۵۵) — "(یہ کیف و سرور) انسان کو مراقبہ، فکر اور آخرت کی طرف دھیان سے حاصل ہوتا ہے۔"

۳۔ عبد اللہ بن عباسؓ ہر جمعرات کو مجلس ذکر کا اہتمام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری '۱:۱۶)

صوفیاء عموماً حضرت ابن عباسؓ کے اس معمول کو اپناتے ہیں۔

۴۔ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کو ذکر نفی واثبات کی تلقین کی آپ نے حضرت علیؓ کو اس کی تربیت دی اور اس طرح تمام صحابہؓ کو اس کی تبلیغ کی گئی۔ (**سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار : ۶۸**)

۵۔ شیخ احمد الرفاعیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو ذکر نفی واثبات (**لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ**) کی تلقین اس طرح کی کہ آنکھیں بند کر کے باآواز بلند ذکر کیا جائے۔

(**البرهان المؤید : ۵۳۔ ۵۴**)

۶۔ شاہ ولی اللہؒ بھی اسی روایت کو یوں بیان کرتے ہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

فقال اغمض عینیک واسمع منی ثلاث مرات ثم قل انت ثلاث مرات وانا اسمع فقال لا الہ الا اللہ ثلاث مرات مغمضا عینیہ رافعا صوتہ	"پس آپ نے فرمایا اپنی آنکھیں بند کرو اور مجھ سے تین مرتبہ (کلمہ) سنو اور پھر تو اسی کو تین مرتبہ دہرا اور میں سنوں گا پس انہوں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اونچی آواز سے تین مرتبہ **لا الہ الا اللہ** کہا"

۷۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

قال ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبہ کان علی عھد النبی (صحیح بخاری '۱:۱۱۶)	"فرماتے ہیں جب لوگ فرضی نماز سے فارغ ہوتے تو عہد رسالتماب ﷺ میں بلند آواز سے ذکر کرنا رائج تھا۔"

۴) تصورِ شیخ

صحابہ کرامؓ اپنے ذہنوں میں ہر وقت مرشد کائنات حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کا تصور رکھتے اور اس سے روحانی سرور اور فیض حاصل کرتے تھے۔

۱۔ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے:

کانی انظر الی سواکہ تحت شفتہ (صحیح مسلم‘ ۲:۱۲۰)	”گویا میں چشم تصور میں آپ کی مسواک جو کہ ہونٹوں کے نیچے تھی دیکھ رہا ہوں۔“

۲۔ عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں:

کانی انظر الی رسول اللہ علی المنبر وعلیہ عمامہ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیہ (صحیح مسلم‘ ۱:۴۴۰)	”گویا میں چشم تصور میں رسول اللہ ﷺ کو منبر کے اوپر دیکھ رہا ہوں اور آپ کے اوپر سیاہ عمامہ ہے کہ آپ نے اس کے دونوں کناروں کو اپنے شانوں کے درمیان لٹکا دیا ہے۔“

۳۔ اس تصور کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام غزالیؒ دوران نماز اسے قائم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

احضر فی قلبک النبی و شخصہ الکریم و قل السلام علیک ایھا النبی (احیاء علوم الدین‘ ۱:۱۵۱)	اپنے دل میں نبی (ﷺ) اور آپ کی شخصیت کریمہ کو تصور میں حاضر کر اور پھر کہہ **”السلام علیک ایھا النبی“**

دوران نماز اسی تصور پر امام عسقلانیؒ نے فتح الباری میں اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملھم میں بڑی عجیب بحث کی ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔

صحابہؓ کے اسی معمول کو سند بنا کر صوفیہ نے تصور شیخ کی اجازت دی ہے۔

۵) لباسِ صوف

صحابہ کرامؓ میں سے کئی حضرات اونی خرقے بھی پہنتے تھے۔

۱۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

لقد ادرکت سبعین بدریا کان لباسهم الصوف

"میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا جن کے لباس اون کے ہوتے تھے۔"

(عوارف المعارف علی هامش احیاء العلوم' ۱: ۲۹۴)

۲۔ امام خازن نے سلمان فارسیؓ کے لبس صوف سے متعلق روایت بیان کی ہے:

عنده جماعة من الفقراء ومنهم سلمانؓ وعلیه شملة صوف

(تفسیر خازن' ۱: ۱۷۰)

"ان کے پاس درویشوں کی ایک جماعت تھی جس میں سلمان فارسیؓ بھی تھے جن کے اوپر صوف کا شملہ تھا"

۶) اصحابِ صفہ۔ پہلی جماعتِ صوفیہ

یہ صوفیہ کی سب سے پہلی باقاعدہ جماعت تھی جس نے صوفیانہ ریاضت ومجاہدہ کو تمام دنیوی امور پر مقدم سمجھا اور مستقل طور پر بارگاہِ نبوی میں رہ کر سلوک وطریقت کی منازل طے کیں۔ ان کی نسبت قرآن حکیم کا بیان قابل غور ہے۔

۱۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

(الانعام' ۶: ۵۲)

"اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کیجئے جو صبح وشام اللہ کو پکارتے ہیں (اور) اسی کی رضا کے طالب ہیں"

اور ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے:

۲۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

(البقرہ' ۲: ۲۷۳)

"خیرات ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں (کسب کے قابل نہیں رہے دین کے کاموں میں ہمہ تن مشغول ہیں) وہ زمین پر چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کو سوال نہ

کرنے کے باعث تونگر اور دولتمند سمجھتے ہیں تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان لیتے ہو۔"

اصحاب صفہ مسجد نبوی کے چبوترے پر قیام کرتے اور ہمہ وقت تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی جدوجہد میں مصروف رہتے تھے ان کی تعداد ۷۰ سے ۷۰۰ تک ثابت ہے۔ اصحاب صفہ میں کم کھانا اور تجرد، دو نمایاں خصوصیات تھیں۔

۳۔ قلت طعام کی نسبت امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

کان اذا صلی بالناس یخر رجال من قامتهم فی الصلاۃ من الخصاصه وهم اصحاب الصفه حتی تقول الاعراب هولاء مجانین او مجانون فاذا صلی رسول الله ﷺ انصرف الیهم فقال لو تعلمون مالکم عند الله لاحببتم ان تزدادوا فاقه و حاجه

(جامع الترمذی، ۲:۵۹)

"جب حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے تو اصحاب صفہ میں سے کئی افراد بھوک کے باعث کمزوری کی وجہ سے گر پڑتے اعراب کہتے یہ لوگ پاگل ہیں۔ جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے "اگر تمہیں معلوم ہو تا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا (ثواب) ہے تو تم فقر اور فاقہ کا اضافہ چاہتے۔"

۴۔ اصحاب صفہ کے تجرد کے بارے میں امام صاویؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

"ان لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر نذر کردی تھی۔ ان کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے"۔ (سیرت النبی مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱:۲۷۱) (حاشیہ الصاوی مطبوعہ مصر، ۱:۱۳۰)

اصحاب صفہ کے تجرد سے یہ حقیقت منصۂ شہود پر آتی ہے کہ جو صوفیہ اپنی روحانی بالیدگی کے لئے دنیوی معاملات سے منقطع ہو کر مجرد زندگی بسر کرتے رہے ان کا

معمول بھی بدعت یا ناپسندیدہ نہ تھا۔ بلکہ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر چند افراد پر مشتمل جماعت تزکیہ و تصفیہ باطن میں ہمہ وقت مصروف رہنا چاہے تو ان کا یہ طریق "اصحاب صفہ" کی سنت پر مبنی ہوگا۔ اسے رہبانیت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

صوفیہ کے ہاں "خانقاہی نظام" اسی طریق زندگی کی عملی صورت تھی جو شومئ قسمت سے آج مفقود ہے۔ یہ صحابہ کرام کی عملی زندگیوں سے تصوف اور سلوک واحسان کے چند نمونے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ تصوف تھا اور ایک ایک زاویہ سلوک واحسان تھا' انہی کے کلام سے معارف طریقت وجود میں آئے اور انہی کے ازواق واحوال سے لطائف حقیقت تشکیل پائے۔ باری تعالیٰ ہمیں ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

باب ۔ ۳

تصوف و احسان
کے
پانچ ابتدائی تقاضے

سلوک واحسان کے پانچ بنیادی تقاضے

تصوف میں واصلان حق کے لئے منزل مقصود تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ سلوک اور جذب، سلوک راہ انابت ہے اور جذب راہ اجابت، سلوک تمام تر حصول ہے جذب خالص وصول، سلوک میں اکتساب ہوتا ہے لیکن جذب میں انتخاب "اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ..... الایہ" اس باب میں ہماری گفتگو کا نقطۂ ارتکاز سلوک ہے جسے طریقت کہا جاتا ہے۔ تصوف تمام تر سلوک و طریقت پر مبنی ہے اس لئے ہم اسی کے آداب بیان کریں گے کیونکہ جذب ترتیب قواعد وضوابط سے آزاد ہے۔ سلوک کے پانچ ابتدائی تقاضے اور آداب ہیں جن کے بغیر کسی سالک کا سفر طریقت وسلوک نہ جاری ہوتا ہے اور نہ آگے بڑھتا ہے یہ ابتدائی زاد سفر ہے جسے ہر مسافر کو ساتھ لیکر عازم سفر ہونا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱) حصول علم وطاعت حق

۲) ارادت شیخ

۳) طعام، منام، اور کلام میں تخفیف

۴) کثرت ذکر وعبادت

۵) تفکر ومراقبہ

ان آداب سلوک کو بالائے طاق رکھ کر کوئی سالک منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے ہم ان ابتدائی آداب کی ضروری وضاحت کرتے ہیں۔

صوفیہ کرامؒ کے نزدیک یہ آداب تصوف اس آیت شریفہ سے مستنبط ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ '۵:۳۵)	اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آیت مذکورہ میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں:۔

☆ ایمان' تقویٰ' وسیلہ اور جہاد۔ ان کا نتیجہ فلاح ہے۔

☆ ایمان میں حصول علم اور طاعت حق کا اشارہ ہے۔

☆ تقویٰ میں احکام الٰہی کی پابندی میں محنت و ریاضت کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ابتغاء وسیلہ (تلاش وسیلہ) میں ارادت شیخ کی طرف اشارہ ہے۔

☆ اور جہاد آخری تین آداب پر مشتمل ہے۔

حدیث نبوی کی اصطلاح میں اسے "جہاد بالنفس" اور "جہاد اکبر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان آداب و ضوابط کے بغیر سالک کے لئے فلاح کا اور کوئی طریق نہیں۔

(۱) حصولِ علم اور طاعتِ حق

علم و عمل کی تلقین اس ارشاد ربانی سے واضح ہوتی ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (المجادلہ '۵۸:۱۱)	اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

طریقت کی بنیاد شریعت ہے۔ اور شریعت کا مطالبہ اولیں ایمان و عمل ہے۔ شریعت عذاب آخرت اور عتاب الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہی ایمان و عمل کو سمجھتی ہے۔ جابجا قرآن حکیم میں مذکور ہے "اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کسی جگہ بھی

ایمان کو عمل سے یا عمل کو ایمان سے الگ نہیں کیا گیا۔ ایمان سراسر علم ہے اور عمل سراسر طاعت ہے۔

توحید و رسالت کیا ہے۔ ارکان ایمان اور ارکان اسلام کیا ہیں۔ اوامر و مندوبات کیا ہیں، نواہی و ممنوعات کیا ہیں ان تمام احکامات پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ یہ دولت ایمان و ایقان بغیر علم کے کیسے ممکن ہے۔ اس لئے اس قدر علم کا حصول انسان پر فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ**" یہ دنیا دار علم ہے اس میں تحصیل علم بقدر فرض کسی معذرت سے معاف نہیں ہو سکتی۔ احکامات الٰہیہ پر ایمان لانے کے بعد اس کی طاعت لازم ہو جاتی ہے۔ اور بعثت رُسُل کا اصل مقصد ہی ان کی اطاعت و اتباع ہے۔ قرآن حکیم بتصریح حکم کرتا ہے "**وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ**" اور اتباع رسول کو ہی طاعت حق قرار دیا گیا ہے۔ "**مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ**" اب اطاعت رسول بغیر سنت نبوی پر اطلاع پانے کے کیسے ممکن ہے۔ جب حدیث و سنت کا علم نہ ہو گا اتباع رسول نہ ہو سکے گی اور اتباع رسول کے بغیر طریقت محال و ناممکن ہے۔ خود ارشاد رب العزت ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
(آل عمران ۳: ۳۱)

آپ ﷺ فرما دیجئے! اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا۔

اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو یہ راہ سلوک میں گامزن ہونے کی تمنا ہے اس کے لئے شرط اولیں اتباع نبوی کو قرار دیا جب انسان "فاتبعونی" کے مقام پر فائز ہو جائے گا تو نتیجتاً توجہ الٰہی حاصل ہو گی۔ توجہ الٰہی کا حصول ہی تو تصوف کا مغز ہے۔ اس لئے اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے انسان قرآن و سنت کا علم حاصل کر لے۔ کیونکہ ایک جاہل عابد و زاہد تمام عمر عبادت کرنے کے باوجود طریقت کی پہلی منزل بھی طے نہیں کر سکتا۔

امام مالکؒ کا قول ہے آپ فرماتے ہیں جو کوئی تصوف بلا فقہ اختیار کرتا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔

من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق
ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق
ومن جمع بینھما فقد تحقق
(مرقاۃ المفاتیح' ۱:۲۵۶)

جو فقہ میں ماہر ہوا اور تصوف کو نہ جانا وہ فسق وفجور میں پڑ گیا اور جو تصوف میں ڈوب گیا اور فقہ سے نابلد رہا وہ زندیق ہو گیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا اس نے حق کو پالیا۔

بزرگوں کا ارشاد ہے:

فلا تصوف الا بفقہ اذ لانعرف احکام اللہ تعالی الظاھرہ الا منہ
(ایقاظ الھمم فی شرح الحکم: ۵)

فقہ کے بغیر تصوف کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ہم ظاہری احکام الٰہی اسکے بغیر نہیں سمجھ سکتے

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ایک فقیہہ' شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی' ۲: ۹۳/سنن ابن ماجہ: ۲۰)

اس لئے راہ طریقت میں علم شریعت کے بغیر حصول معرفت تو درکنار انسان خود ہلاکت کے گڑھوں سے بھی نہیں نکل سکتا۔

جب انسان علم شریعت حاصل کرلے تو طاعت حق میں کمال حاصل کرے۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ عالم بے عمل بن جائے اور روز قیامت آگ کی قینچیوں سے اس کی زبان کاٹی جائے۔ اللہ رب العزت نے تنبیہہ کی ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○
(الصف' ۶۱: ۳)

اللہ کو یہ بہت ناگوار ہے کہ تم وہ کہو جو کرو نہیں۔

عالم بے عمل کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ اس لئے اے راہ خدا کے سالک علم حاصل کر اور دامن طاعت مضبوطی سے تھام لے۔ علم وطاعت کے سوا تیرا گزر نہیں اور علم بلا طاعت تجھے کچھ نفع نہ دے گا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے علم کے مدعی تیرے علم کا بلا عمل کچھ اعتبار نہیں اور بلا اخلاص تیرا عمل معتبر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ جسم بلا روح ہے۔ اخلاص کی علامت یہ ہے کہ تو مخلوق کی تعریف و خدمت کی طرف توجہ نہ کرے"

(الفتح الربانی: ۱۴۸)

علم و عمل کے ساتھ تصحیح عقائد از بس لازم ہے۔ درستگی عقائد کے بغیر عمل نامقبول ہے اور درستگی عقائد کا طریقہ یہ ہے کہ صحابہ' تابعین اور سلف صالحین کے عقائد کو مشعل راہ بنایا جائے۔ قرآن کی تعلیم یہی ہے۔ "**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**" جان لے کہ عقائد میں "اہل السنہ" والجماعۃ "کا مذہب ہی صراط مستقیم ہے کہ یہی طریقہ "**ما انا علیہ و انا اصحابی**" کا مصداق ہے اور صحابہ کرام و تابعین عظام' ائمہ اطہار' اہل بیت' جملہ ائمہ ومحدثین اور اولیاء کرام اس مذہب و مسلک پر گامزن رہے ہیں۔ یہی حق ہے۔

سالک کیلئے ضروری ہے کہ علمِ عقائد میں پختہ قدم رکھے مگر اختلافی مسائل میں الجھنے اور متکلمانہ مباحث سے قطعی طور پر اجتناب کرے۔ یہ کلامی جھگڑے سالک کیلئے مفید نہیں۔ انکے علاوہ سالک مبتدی توحید کے باریک مسائل مثلاً وحدت الوجود' وحدت الشہود اور تنزلات خمسہ کی بحثوں سے پرہیز کرے ان میں بجائے نفع کے نقصان ہوگا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن پر مشاہدے کے بغیر کلام کرنا ضرر سے خالی نہیں۔

پس ابتداء سلوک میں سالک کا فرض اولیں یہ ہے کہ علمِ شریعت حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کے ظاہر و باطن' خلوت و جلوت اور شب و روز پر طاعت حق کی چھاپ لگالے۔ عبادات و معاملات میں اتباع سنت کا رنگ غالب کرے۔ صرف نیکی

سے ربط رکھے ہر برائی سے لاتعلق ہو جائے اور اگر سہواً خطا کرے تو فوراً توبہ واستغفار کے واسطے سے حضور الٰہی میں متوجہ ہو اور گناہ معاف ہونے پر یقین کامل رکھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہے گویا اس کا گناہ تھا ہی نہیں۔

(سنن ابن ماجہ، بیہقی: ۱۹۸)

طاعت حق کے لئے جملہ فرائض و واجبات کی پابندی اور سنن کی پیروی کے علاوہ چند معمولات کو اپنانا سالک کے لئے نہایت مفید اور ازبس لازم ہے۔

۱۔ شبانہ روز مسنون نوافل کی ادائیگی

۲۔ تلاوت قرآن مجید

۳۔ کثرت درود و سلام

۴۔ کثرت استغفار

۵۔ صدقہ و خیرات

تعلیم و تعلم کے باب میں اس کے لئے ضروری ہے کہ صالح علماء کی مجلس میں بیٹھے، روزانہ کچھ قرآن مجید باترجمہ پڑھے یا سنے اس طرح کچھ احادیث مبارکہ کا روزانہ مطالعہ کرے یا سنے، سیرت طیبہ کا مطالعہ مستقل معمول رکھے، تصوف و سلوک کی آسان کتب اور اولیاء اللہ کے تذکرے زیر مطالعہ وزیر سماعت رکھے، ضروری مسائل فقہ سے واقفیت پیدا کرے اس کی حفاظت اس میں ہے کہ اہل سنت کے فقہی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب سے متمسک ہو جائے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے۔

(۲) ارادتِ شیخ

حقیقی اسلام، حقیقی ایمان، حقیقی تمسک بالکتاب والسنہ کسی زندہ شخصیت کے توسط کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اسی زندہ شخصیت کا اصطلاحی نام پیرو مرشد ہے۔

ہدایت کے لئے پیکرِ محسوس کی ضرورت

قرآن رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں خدا کا کلام ہے بایں ہمہ یہ نہ ہوا کہ قرآن براہ راست تمام بندوں کے پاس پہنچ گیا۔ منکرین و مومنین اسے آسمان سے اترتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ لوگوں کو بلاواسطہ ہدایت عطا ہو جاتی ہر شخص کے سرہانے صبح کو قرآن کا ایک ایک نسخہ رکھا ہوا مل جاتا لیکن قدرت نے اس کے برعکس اس معاشرے میں ایک زندہ شخصیت کو پیدا فرما کر چالیس برس تک ان میں ہر قسم کے معاشرتی تعلقات قائم رکھنے کا حکم دیا اور پھر آپ کی وساطت سے لوگوں کو ہدایت باہم پہنچائی۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے قرآن وحدیث کے بے شمار قلمی نسخے دیگر بلاد و ممالک میں روانہ نہ کئے کہ براہ راست قرآن اور اقوال و سنن کی تعلیمات سے استفادہ کیا جائے بلکہ مزید زندہ شخصیات کو پیدا فرمایا ان کے سینے نور حقیقت سے منور کئے اور اپنے نور صحبت سے انہیں مستفید و مستنیر کر کے اطراف ملک میں روانہ کیا تاکہ لوگ قرآن وحدیث کی تعلیمات ان زندہ شخصیتوں سے سیکھیں۔ یہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین سب کون تھے شاگردوں کی جماعت طالبوں کی جماعت مریدوں کی جماعت بیعت کرنے والوں کی جماعت اور ارادت رکھنے والوں کی جماعت ہی تو تھی۔ اس دور کے مسلمان کیا بذات خود قرآن وحدیث سمجھنے کی استعداد نہ رکھتے تھے؟ یقیناً آج کے علماء سے زیادہ سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ زندہ شخصیتوں کے محتاج تھے۔ مادی علوم میں آج کون سا علم اور دستکاری کے پیشوں میں آج کون سا پیشہ ہے جس میں استاد کی مدد لازمی نہیں۔ پھر روحانیت کا علم جو ان تمام علوم سے زیادہ لطیف، تزکیہ نفس کا فن جو ان تمام فنون سے زیادہ دشوار، اللہ کی معرفت جو ہر شے سے زیادہ نازک ہے کیسے ممکن ہے کہ اس میں استاد و شیخ کی ضرورت نہ پڑے اس سفر میں تو قدم قدم پر رہنما ناگزیر ہے ہم

اس روحانی پیشوا واستاذ کو شیخ کے نام موسوم کرتے ہیں۔

مرتبۂ احسان تک رسائی کا ذریعہ

سوال صرف یہ ہے کہ ایمان کے اجزا اور اسلام کے ارکان تو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ ایمان وعمل کے ظاہری وخارجی پہلو تو کتابوں سے دریافت ہوسکتے ہیں لیکن قلب کو مرتبۂ احسان تک پہنچا دینا' تزکیہ نفس' نور باطن اور تطہیر اخلاق بغیر ایک زندہ اور کامل شخصیت کے کیسے ممکن ہے۔ جو قانون اور ضابطے کتابوں میں درج ہونے والے تھے حدیث' آثار اور فقہ کی کتابوں میں مدون ہوتے رہے لیکن جن چیزوں کا تعلق وجدانیات وکیفیات سے ہے وہ تحریر میں کیونکر آسکتی تھیں وہ تو صرف ایک قلب سے دوسرے قلب پر اپنا عکس ڈال سکتی ہیں۔

مرشد کامل کوئی خود رو ہستی نہیں بلکہ جس طرح آپ قرآن کی ساری عبارت کو محض سند متصل کی بنا پر کلام الہی جانتے چلے آئے ہیں جس طرح آپ بخاری ومسلم کی کسی روایت کو محض اس لئے کلام رسول تسلیم کرلیتے ہیں کہ وہ معتبر اور مسلسل سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہوئی ہے ٹھیک اسی طرح اس مرشد کامل کا قلب منیر بھی ایسے ہی مضبوط واسطوں کے ساتھ قلب رسول سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا رابطۂ روحانی بھی ایسی ہی زنجیر کی مضبوط کڑیوں کی طرح سرچشمۂ تقدیس وروحانیت سے جڑا ہوا ہوتا ہے جس طرح امام بخاریؒ ومسلمؒ اخبار رسول اور آثار صحابہؓ کو اپنے ضخیم دفتروں میں ضبط ونظم فراہم کرتے رہے اسی طرح حسن بصریؒ وجنید بغدادیؒ اسرار رسول وانوار صحابہ سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہے۔ ادھر رسول کا قول ایک سفینے سے دوسرے سفینے میں نقل ہوتا رہا ادھر رسول کا حال ایک سینے سے دوسرے سینے میں جاگزیں ہوتا رہا دونوں شعبوں کی جامعیت عہد صحابہ میں بھی کئی حضرات کے حصے میں آئی جن میں ابوبکر صدیقؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علی المرتضیٰؓ' ابوذرؓ' سلمان فارسیؓ' ابوعبیدہؓ' ابودرداءؓ' ابوھریرہؓ' معاذ بن جبلؓ' عمران بن حصینؓ' ابو

موسیٰ اشعریؓ' وغیرھم کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں اس لئے صوفیہ سے قدیم تذکرے انہیں کے نام سے شروع ہوئے ہیں۔

مریدی کا اصلی راز شیخ کامل کی صحبت ہے چنانچہ لفظ صحابی بھی "**اہمیت صحبت**" کو اجاگر کررہا ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں مریدی یہ ہے کہ جس مرد حق سے قلب کو "ارادت" ہو اس کی خدمت میں اطاعت ونیاز مندی کے ساتھ حضوری رکھی جائے اور یہ حکم خدا کی عین تعمیل ہے۔ ارشاد ربانی قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور
وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ	اہل صدق کے ساتھ رہا کرو۔

(التوبہ ۹: ۱۱۹)

محض ایمان کافی نہیں کیونکہ خطاب ہی مومنین سے ہے پھر عمل پر ہی اکتفا نہیں کیونکہ حکم تقویٰ اور ارشاد واطاعت گزاری کے بعد ایک مستقل حکم اور مذکور ہے۔

"**کونوا مع الصادقین**" صادقوں کی معیت اختیار کرو اور راست بازوں کی صحبت میں رہو "**یاایھا الذین امنوا**" میں تکمیل ایمان ہے "**اتقوا اللہ**" میں تکمیل اسلام ہے جو دوسرا درجہ ہے اور "**کونوا مع الصادقین**" میں تکمیل احسان ہے یہی تین چیزیں ہیں جن کی تعلیم نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو دی تھی حدیث جبرئیل اس امر پر دال ہے جس میں حضور رسول اکرم ﷺ نے ان تینوں مدارج کی توضیح کی۔ ایمان عقائد پر مبنی ہے اسلام اعمال پر اور ان سے بڑھ کر احسان کی منزل ہے جو مشاہدہ ورؤیت پر مبنی ہے۔

نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی فرماتے ہیں:

امام آنچہ اولیاء اللہ وپیشوایان طریقت ومقتدایان حقیقت وضع کردہ اند وقرار	امام وہ ہے جسے اولیاء اللہ اور طریقت کے پیشواؤں نے امام قرار دیا ہو اور

داده بہترین اوضاع وفاضلترین اطوار است بنا برانکہ مطابق ظاہر شریعت وباطن سنت آمدہ وللہ الحمد گفتہ اند کمال آدمیت وشرف انسانیت موقوف بر سہ چیزست اول تزکیہ ظاہر، دوم تصفیہ باطن سوم تخلیہ قلب۔ گویم اول اسلام است وثانی ایمان وثالث احسان۔ کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام مشتمل است بران

(الروض الخصیب: ۱۰۴)

یہ سب سے اعلیٰ اور بہترین قسم ہے کیونکہ شریعت ظاہری اور طریقت باطنی دونوں کے مطابق ہے۔ کہتے ہیں انسانیت کا کمال اور بزرگی تین چیزوں پر موقوف ہے۔ اول ظاہر کا تزکیہ (صفائی) دوئم باطن کی صفائی سوئم قلب کا تخلیہ (خالی کرنا) میں کہتا ہوں پہلا اسلام ہے دوسرا ایمان اور تیسرا احسان جیسا کہ حدیث جبرائیل ان تینوں چیزوں پر مشتمل ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ آیت مذکورہ بالا اور "**واتبع سن اناب الی**" سے اہمیت شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حدیث رسول "**الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ**" کا ذکر کرتے ہیں کہ شیخ اپنے حلقۂ مریدین میں اس طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔

(تصفیۃ القلوب: ۴)

حضرت مکیؒ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

مقتدایان دین فرمودہ اند **من اراد ان یجلس مع اللہ فلیجلس مع اھل التصوف** چنانکہ آنجا صحبت نبی ضرور است ایں جانیز از اں شیخ بودن ضرور بود لاریب وبلاشبہ پس اگر در نظر شیخ کامل بودہ کار بفرمان او کنند وجملگی اختیار وارادہ خود بدست اختیار مرشد

بزرگان دین نے فرمایا ہے جو اللہ کے ساتھ بیٹھنا چاہے اسے چاہئے وہ اہل تصوف کی مجلس وصحبت اختیار کرے۔ جس طرح وہاں نبی کی صحبت ضروری ہے یہاں بھی اس کے لئے شیخ کا ہونا ضروری ہے۔ اگر شیخ کامل کی نظر میں ہو اور ہر عمل اس کے فرمان کے

دید امید قوی ست کہ زود بمنزل مقصود برسد انشاء اللہ

مطابق کرے اور اپنے تمام اختیار و ارادوں کو اپنے شیخ کے ہاتھ و اختیار میں دیکھے تو قوی امید ہے کہ بہت جلد منزل مقصود کو پہنچ جائے۔ انشاء اللہ

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اسی ضمن میں فرماتے ہیں:

ویقین احد اشقین ازیں خصوصیات مذکورہ مفوض بصوابدید شیخ و مرشد است کہ بحسب حال ہرچہ رااصلح داند تلقین فرماید ۔۔ در آیت دیگر فرمودہ اند فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ"

(تفسیر عزیزی پارہ ۲۹: ۲۲۳)

اس بات کا پکا یقین رکھنا چاہیے کہ یہ مذکورہ خصوصیات شیخ کی صوابدید پر منحصر ہیں کہ وہ ہر کسی کے حسب حال انکی اصلاح کرے اور تلقین فرمائے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں"

ارادت شیخ کی اہمیت و فرضیت قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہوتی ہے اسی ضمن میں ہم مزید ایک آیت کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس میں ذرا تدبر و تفکر مطلوب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

(المائدہ ۵: ۳۵)

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یہ آیت پورے مضمون تصوف کو محیط ہے۔ اس میں فلاح نفس کے لئے چار شرائط مذکورہ ہیں:۔ ۱۔ ایمان ۲۔ تقویٰ ۳۔ ابتغاء وسیلہ ۴۔ جہاد

مولانا رشید احمد گنگوہی ضرورت شیخ کے بیان میں یوں رقمطراز ہیں۔

"سالک کے لئے شیخ کامل کی صحبت ضروری ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو!

تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کی جانب وسیلہ تلاش کرو۔۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضور نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔"

(امداد السلوک: ۲۰)

سب سے پہلی شرط ایمان ہے کیونکہ مخاطب مومنین ہیں دوسری شرط تقویٰ ہے۔ تقویٰ پورے اسلام کو محیط ہے۔ اوامر کی اطاعت اور نواہی سے اجتناب کے علاوہ دیگر اعمال صالحہ کے بغیر تقویٰ کا مفہوم مکمل نہیں ہوتا اس کے بعد تیسرا درجہ تلاش وسیلہ ہے اور اس وسیلہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان وصال حق کے مقام پر فائز ہو سکے۔ یہ وسیلہ اہل بصیرت کے نزدیک مرشد کامل ہے اور پھر مرشد کامل کی نگرانی میں راہِ حق میں جہاد کیا جائے اس جہاد سے مراد جہاد بالنفس ہے جو جہاد اکبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسی آیت کے تحت لفظِ وسیلہ کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں

فرائض ولایت کبریٰ شش است چہار شرط بترتیب نص اول ایمان بتصدیق دل واقرار زبان دوم تقوی باکتساب ماٴمورات واجتناب محظورات سوم طلب شیخ طریقہ کہ وسیلہ عبارت ازاں است راہ وصول بدوست از وعیاں است چہارم جہاد بارشاد در افناء انانیہ

(انفاس العارفین: ۱۴۸)

ولایت کبریٰ کی چھ شرطیں ہیں۔ ان میں سے چار قرآن مجید میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق ہیں۔ پہلی شرط ایمان ہے یعنی اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب۔ دوسری شرط تقویٰ ہے یعنی اللہ کے احکامات بجا لانا اور ممنوعات سے پرہیز کرنا۔ تیسری شرط شیخ طریقت کی تلاش ہے اور وسیلہ سے یہی مراد ہے وصال (منزل مقصود) کا راستہ اسی سے ملتا ہے اور وہی اسے

آشکار کرتا ہے۔ چوتھی شرط جہاد ہے
یعنی اپنے نفس اور انانیت کو فنا کرنا۔

شاہ اسماعیل دہلوی اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پس حقیقی نجات کے لئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے اسی واسطے راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر اور کمیاب ہے"

سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ "باب آداب المرید مع الشیخ" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولیتحقق بان اللہ عز وجل اجری العادہ بان یکون فی الارض شیخ ومرید صاحب ومصحوب تابع ومتبوع من لدن آدم الی ان تقوم الساعہ

(غنیۃ الطالبین: ۸۴۰)

مرید کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ جاری ہے کہ زمین میں شیخ بھی ہو مرید بھی، صاحب اقتدار بھی اور ماتحت بھی، تابع بھی اور متبوع بھی۔

چوں تو ذات پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
پیر کامل صورت ظل خدا
یعنی دید پیر دید کبریا

"جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا تو خدا اور رسول دونوں اس ذات میں ہیں۔ مرشد کامل اللہ کا سایہ ہے یعنی اس کا دیدار خداوند تعالیٰ کا دیدار ہے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یہ الفاظ ضرورت شیخ کے لئے حتمی حیثیت کے حامل ہیں:

ان التوالد والتناسل الصوری

جس طرح جسمانی توالد وتناسل والدین

لایحصل بغیر الوالد والوالدہ کذالک التوالد المعنوی حصولہ بغیر المرشد متعذر قال فی رسالہ المکیہ من لا شیخ لہ فالشیطان شیخہ"

کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح باطنی توالد (ترقی) بھی بغیر شیخ کے مشکل ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے "رسالہ المکیہ" میں لکھا ہے کہ "جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے"۔

(الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: ۳۳)

قرونِ اولیٰ سے آج تک کے مشائخ عظام اس امر پر متفق رہے ہیں کہ جب تک مرید خود واصل باللہ نہیں ہوتا وہ اپنے شیخ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شیخ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مرید کو مقام وصال تک پہنچاتا ہے اور جب مرید اس مقام اعلیٰ پر فائز ہو جائے بلکہ یہاں سے اس طالب حق کی تربیت خود خدا تعالیٰ اپنے ذمے لے لیتا ہے اب اسے ارادت حق حاصل ہو جاتی ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

پیر باشد نرد بان آسماں
تیر پراں از کہ گردد از کمان
من بخویم زیں سیس زاہ اثیر
پر جویم پیر جویم پیر پیر

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ فرمان قابل غور ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اعتقد ان شیخک ھذا ھو موصلک الی مولان ولا تعلق قلبک بسواہ

(الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: ۵۸)

یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ شیخ کامل مرید کو مولیٰ تعالیٰ سے ملا دیتا ہے اور (اس وصال تک شرط یہ ہے کہ مرید) اپنے دل کا ربط و تعلق اپنے شیخ کے سوا کسی اور سے نہ رکھے۔

اسی طرح جب مرید شیخ کامل کی وساطت سے منزل مقصود تک یعنی وصال حق

کو پہنچ گیا تو اس کا دل تعلق ارادت سے اپنے مولا کے ساتھ بندھ جائے گا لہٰذا اب اسے شیخ کے تعلق ارادت کی ضرورت نہ رہے گی۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی" اس ضمن میں فرماتے ہیں:

دوام ربط قلب باشیخ خود باستمداد واعتقاد آنکہ ایں ہماں مظہر حق است کہ او تعالیٰ برائے افاضہ فیض خود برمن مقرر فرمودہ واز ہمیں راہ وصول باآں جناب قدس متعین شدہ پس ہمیشہ بوصف محبت وتسلیم بجانب او متوجہ باشد تا دروازہ فیض برو مفتوح گردد وہیچ گونہ اعتراض بر شیخ در دل خود نیارد کہ ایں موجب سید راہ حق گردد

(تصفیہ القلوب:۹۶)

ہمیشہ قلب کا تعلق اپنے شیخ سے اس عقیدہ کے ساتھ جوڑنا کہ یہ مظہر حق تعالیٰ ہے جس نے اپنے فیض سے نوازنے کے لئے انہیں مجھ پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں کے ذریعہ سے بارگاہ خداوندی میں حضوری کی راہ ملتی ہے۔ ہمیشہ سراپا تسلیم و محبت بن کر اس کی طرف متوجہ ہو تاکہ فیض کا باب اس پر کھل جائے اور اپنے شیخ کے بارے میں کسی قسم کا اعتراض اور شک دل میں نہ لائے کہ یہ چیز راہ حق میں رکاوٹ کا سبب ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی" فرماتے ہیں:

بداند کہ مدد خواستن از شیخ مدد خواستن از حضرت پیغمبر است ﷺ کہ نائب وجانشین اوست وایں اعتقاد را بجزم بر خود بندد

(مجموعات المکاتیب والرسائل:۳۵۰)

جان لیں کہ شیخ سے مدد مانگنا حضور ﷺ سے مدد مانگنا ہے کیونکہ یہ ان کے نائب اور جانشین ہیں اور اس عقیدے کو پورے یقین کے ساتھ اپنے پلے باندھ لیں۔

اسی بنا پر مولانا محمود الحسن دیوبندی "**اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن**" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اگر کسی مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے"
(تفسیر القرآن حاشیہ از شیخ الہند)

مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:
"مرید اس بات کا یقین رکھے کہ شیخ کی روح ایک جگہ پر مقید نہیں بلکہ جس جگہ مرید ہو گا قریب یا بعید اگرچہ شیخ کی ذات بعید ہو لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں ہے جب اس بات کو راسخ کرے اور شیخ کو ہر وقت یاد رکھے تو روحانی تعلق پیدا ہو جائے گا اور ہر آن میں عجیب فائدہ حاصل کرے گا"

(امداد السلوک: ۲۴)

ارادت شیخ کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر مرید کو صحبت شیخ میسر آئے تو اذکار و عبادات کو محدود کرے اور خدمت شیخ کو دولت عظیم سمجھے۔ شیخ کی خدمت میں زیادہ گفتگو نہ کرے اور نہ آواز بلند کرے شیخ کی صورت سے اس قدر محبت والفت پیدا کرے کہ اس کی صورت دل و دماغ میں نقش ہو جائے۔ اگر مرید اپنے شیخ سے بظاہر دور ہو تو غائب رہ کر بھی خود کو شیخ کے حضور میں تصور کرے۔ خلوت میں تصور شیخ کے ذریعے ظاہری و باطنی ربط پیدا کرے تاکہ اسے فیض روحانی برابر پہنچتا رہے دیگر مشائخ سے عقیدت رکھے مگر اپنے قلب کو صرف محبت شیخ کا مسکن و مہبط بنائے۔ یہ امر اشد ضروری ہے کہ اپنے شیخ کو روئے زمین پر موجود تمام مشائخ و اولیاء سے بلند و برتر سمجھے اور اس پر یقین رکھے ورنہ مستحق فیض نہ ہو گا کیونکہ اس کی تمام محبت و توجہ اپنے شیخ پر مرتکز نہ ہو سکے گی۔

اسے "توحید مطلب" کہتے ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:
"اس کو یقین ہو کہ اس معین مرشد کے بغیر کوئی مجھے مطلب اور مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ اگر توحید مطلب نہ رکھے گا تو ہر جگہ پریشان اور مشوش رہے گا اور توحید مطلب

میں شیطان اس کے شیخ کی صورت میں نہیں آسکتا"

(امداد السلوک: ۲۲)

مرید کو چاہیے کہ بارگہ رب العزت میں اپنے شیخ سے نسبت پختہ ہونے کی دعا کرے اور فنافی الشیخ ہونے کی تمنا کرے۔

سالک کے حق میں تصور شیخ اور اس کی محبت ونسبت تمام ریاضتوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر اپنے شیخ کی نسبت سے پیر بھائیوں کے ساتھ بالخصوص نیک سلوک رکھے۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی بلندی درجات اور خیرت وعافیت کے لئے دعائیں کرے یہاں تک کہ اسے دنیا ومافیھا سے عزیز رکھے۔ خود کو شیخ کے ارادہ ورضا کے سامنے اس طرح تابع کردے جیسے مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے مردے کو پلٹتا ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

"کوئی چیز از خود کوئی چیز نہیں بنتی کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بنتا' مولوی ہرگز مولائے روم نہ بنا جب تک شمس تبریز کا غلام نہ بنا"۔

سالک کے لئے چند بنیادی ہدایات

(۳) کلام' طعام اور منام میں تخفیف (مجاہدۂ نفس کا پہلا قدم)

اے بندے! رسول اللہ ﷺ نے تجھے نجات وبخشش کا رستہ بتایا ہے۔ "من صمت نجا" جو خاموش رہا نجات پاگیا۔ پس تو اسی ارشاد رسول ﷺ کا دامن

مضبوطی سے تھام لے۔ زیادہ بولنا تیرے احوال کو گھٹا دے گا۔ تیری روحانیت میں کمی کرے گا اور لذت و سرور تجھ سے چھین لے گا۔ عوام سے اپنا اختلاط بہت کم کر۔ ہاں تجھ پر دین کی طرف سے کچھ معاشرتی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مریض کی عیادت' مصیبت زدہ کی تعزیت' صلہ رحمی کے حقوق' حصول تعلیم اور کسب معاش اور تبلیغ دین وغیرہ الغرض ان ذمہ داریوں کو پورا کر مگر تکلم حسب ضرورت ہو۔ اے سالک! تجھے چاہیے کہ تو فضول اور لغو گفتگو سے بالکل پرہیز کرے اور قہقہے لگانے سے اجتناب کرے۔ اس سے تیرا دل مردہ ہو گا۔

زبان کو زیادہ تر ذکر خدا اور تبلیغ حق میں جنبش دے۔ تو عشاء کے بعد عام گفتگو سے دور رہ خاموشی برقرار رکھ پھر سو جا۔ منہ کی زبان بند رہنے سے دل کی زبان کھلے گی جو تجھے اسرار و معارف پہ آگاہ کرے گی۔

○ اے سالک! قلت طعام کے ضمن میں تجھ پر لازم ہے کہ کھانا اس قدر کھا جس سے تو سیری ہرگز محسوس نہ کرے اور اتنا کم بھی نہ کر کہ جسمانی ضعف محسوس کرنے لگے۔ تیرا کام ریاضت و مجاہدہ ہے نفس کو مغلوب کرنا ہے اور روحانیت کو طاقت پہنچانا ہے۔ مگر تجھ پر دنیا کے کام کاج بھی لازم ہیں پس جسم کو بالکل نحیف و لاغر مت کر۔ قوی اور ضعیف مزاج کے لحاظ سے تو خود مقادر طعام میں فرق کر۔ اے راہ رو منزل حق! زیادہ کھانے سے تیرا نفس تجھ پر غالب آئے گا اور تو غفلت کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ پس قلت طعام کی مدد سے غلبہ نفس کو توڑ اور روح کو تقویت پہنچا۔ کم کھانا تیری روحانیت اور نورانیت میں اضافہ کرے گا نوری فرشتوں کی طرح تجھ میں لطافت پیدا کرے گا۔ عبادت میں تجھے خاص لذت و طمانیت اور کیف و سرور کی حالت حاصل ہو گی۔

○ اے سالک طریقت! سیدنا غوث اعظمؒ کا یہ ارشاد یاد رکھ۔

الخیر فکل الخیر فی الیقظہ والشر فکل الشر فی النوم (تمام تر بھلائی جاگنے میں اور تمام تر برائی سونے میں ہے)۔ تجھے چاہیے کہ تو کم سوئے اور زیادہ جاگے۔ تو رات دن کے

تین حصہ کر' دو حصوں میں جاگ اور ایک حصہ سو۔ تیرا سونے کا وقت ۸ گھنٹے بنتا ہے اگر ہوسکے تو تو اس سے بھی کم کر یہاں تک کہ ۶ گھنٹے رہ جائیں۔ پھر ممکن ہو تو اس سے بھی کم کر جہاں تک تیری صحت اجازت دے۔

اے سالک طریقت! دوپہر کا کھانا کھا کر استراحت کر۔ دوپہر کا سونا تجھے بہت نفع دے گا۔ پھر رات کا ابتدائی حصہ جاگ عشاء کے اذکار و عبادت سے فارغ ہو کر بغیر دنیوی غیر ضروری گفتگو کئے سو جا اور پھر آخر شب اپنے رب کے حضور میں عاجزی کر کہ تجھے خلوت میں اپنے خاص احسان سے نوازے۔ اگر تو نصف شب کا جاگنا پسند کرتا ہے تو ان میں بھی تیرے لئے بھلائی ہے۔ رات ایک بجے گریہ وزاری میں کون تیرا شریک ہوتا ہے پس اپنے محبوب کو اکیلا پا اس سے معافی مانگ اور اس کی عطا سے اپنا دامن مراد بھر۔ نصف شب کے بعد اپنے محبوب کو سلگتے ہوئے آنسوؤں کا تحفہ پیش کر اسے سرد آہوں کا نذرانہ دے اور اس سے صرف اس کی رضا و خوشنودی طلب کر یہ دولت لازوال ہے۔

(۴) کثرتِ ذکر و عبادت

جب سالک حصول علم و طاعت حق اور ارادت شیخ حاصل کرنے کے بعد مجاہدۂ نفس کی طرف پہلا قدم (تخفیف طعام منام و کلام) اٹھالے تو پھر اپنے شیخ کی اجازت سے ذکر و اذکار میں مشغول ہو جائے اگر اپنے اذکار و اوراد اور دیگر عبادات میں پابندی وقت سے کام لے گا تو یہ اس کے حق میں بہت مفید ثابت ہوں گی۔ تلاوت کلام پاک کے لئے کوئی وقت مقرر کرے اور باقاعدگی سے انوار تلاوت کے ذریعے اپنے باطن کو منور کرے۔ نوافل کے معاملے میں سالک پر پانچ فرض نمازوں کے علاوہ چار اور نمازیں ہیں۔ تہجد آٹھ رکعت' اشراق دو رکعت' چاشت چار رکعت اور اوابین چھ رکعت۔ اگر مصروفیت کی بنا پر چاشت تک سالک انتظار نہیں کرسکتا تو اشراق کے بعد متصل پڑھ لے۔ سالک کو چاہیے کہ نماز فجر اور اشراق کے درمیان دنیوی گفتگو نہ کرے اسی طرح مغرب و اوابین کے دوران کلام نہ کرے۔ ان نمازوں کے علاوہ سالک

کو چاہیے کہ ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ صلوۃ التسبیح پڑھے اس کے لئے جمعہ کا دن موزوں تر ہے۔

زیارتِ قبور

بہتر ہے کہ سالک زیارت قبور عامہ" المسلمین و مزارات اولیاء کی حاضری میں پابندی اختیار کرے۔ عام قبور سے موت و آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور مزارات اولیاء پر حاضری دینے سے جذب و شوق کی توفیق ملتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" فرماتے ہیں:

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شود و برائے ایشاں فاتحہ بخواند یا بہ زیارت قبر ایشاں رود واز انجا انجذاب دریوزہ کند (ہمعات: ۳۴)	مشائخ کے ارواح کی طرف متوجہ ہو اور ان کے لئے فاتحہ خوانی کرے یا ان کے مزار کی زیارت کو جائے اور وہاں سے ملنے والی بھیک کو اپنے دامن میں سمیٹے۔

اس کا تعلق نسبت اویسیہ سے ہے اس سلسلے میں بقول شاہ ولی اللہ دہلوی" و دیگر مشائخ چند چیزیں ضروری ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ازینجاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں و اعتنائے تمام کردن بہ تعظیم اثار و اولاد مشبان ایشاں **(ہمعات: ۵۸)**	مشائخ کے عرس منانا' پابندی سے ان کے مزارات کی زیارت ان کے لئے ہمیشہ فاتحہ خوانی کرنا اور صدقہ دینا اور ان کی اولاد و آثار کی تعظیم کا پورا پورا خیال کرنا اسی سے ثابت ہے۔

زیارتِ قبور و مزارات کے لئے جمعرات کو بعد نماز عصر یا جمعہ کو بعد نماز فجر

واشراق جائے یہ دو وقت بہت اچھے ہیں۔ عبادات کے معاملے میں سالک کے لئے ضروری ہے کہ ریاکاری سے پرہیز کرے لیکن ابتدائے سلوک میں ریاکاری کی باریک تفصیلات میں نہ پڑے۔

آداب ذکر

ذکر واذکار میں بھی وقت کی پابندی بہت مفید ہے۔ سالک کو چاہیے کہ دن رات میں چند ایسی گھڑیاں مقرر کرے جس میں اسے فراغت' خلوت اور کم سیری میسر ہو۔ کم سیری سے مراد یہ ہے کہ ذکر کے وقت اس کا شکم نہ تو بالکل سیر ہو اور نہ بالکل خالی۔ (شکم سیری تو بہر صورت سالک کے لئے غیر مفید ہے سوائے روزہ رکھنے کے)

آداب ذکر میں جو شرائط ضروری شمار ہوتی ہیں ان میں سے کم سیری' فراغت' خلوت (بند حجرہ اور نیم اندھیرا) پاکیزہ مقام' اجلے کپڑے' قبلہ رخ دوزانو یا چار زانو (دو زانو زیادہ بہتر ہے) بیٹھنا اور حضور شیخ کا تصور وغیرہ تمثیلا عرض کی جاتی ہیں۔ آغاز ذکر سے قبل سالک کو چاہیے کہ نوافل' استغفار' درود وسلام اور آیات قرآنی کے ذریعے وساوس دنیاوی سے اپنے دل ودماغ کو پاک کرلے۔ تاکہ ذکر سے نفع حاصل ہو۔

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل سے جاہ ومال کی محبت بالکل کم کردے۔ اس کی خاطر وہ اس دنیا اور دنیوی مال واسباب کی بے ثباتی کا تصور کرے اور اس میں پختہ یقین رکھے تاکہ اس کی توجہ جاہ ومال سے اس قدر ہٹ جائے کہ دوران ذکر یہ خیال اس کے شغل میں حارج نہ ہوسکے نیز اس ضمن میں اسے اپنے اوپر اتنا قابو ہونا چاہیے کہ جب سالک اس بات کا دعوی کرے کہ اسے محبت صرف خدا سے ہے اور اس کا مقصود ومطلوب تو صرف وہی ذات ہے تو اس وقت سالک کا دل اس دعوے میں زبان کی تکذیب نہ کرے بلکہ مکمل تائید کررہا ہو اگر یہ نہیں تو اوراد ووظائف سے اسے کبھی بھی حلاوت ایمان نصیب نہیں ہوگی۔

ذکر نفی و اثبات

ان ابتدائی تدابیر کے بعد سالک ذکر شروع کرے۔ سالک کے حق میں ذکر نفی واثبات بہت مفید ہے۔ سالک کے لئے یہ امر نہایت توجہ طلب ہے کہ وہ ذکر کے معاملے میں تضاعف ثواب کا طالب نہ ہو۔ ثواب تو عند اللہ بہر صورت اسے حاصل ہو گا مگر ان بحثوں میں نہ پڑے کہ ذکر خفی سے زیادہ ثواب ہو گا یا ذکر جلی سے۔ سالک مبتدی کا واحد مقصد یہ ہے کہ ذکر کے ذریعے اس سے دل کو جلا حاصل ہو۔ ذکر کی ضربوں سے دل متاثر ہو اور زنگ وسیاہی سے نجات حاصل ہو۔ پس اس مقصد کے لئے ذکر جلی سے بڑھ کر اور کوئی محنت نہیں۔

طریقۂ ذکر

اے سالک تو "**لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ**" کا ذکر مسلسل اور باآواز بلند کر۔ دوران ذکر اپنی آنکھیں بند کر لے "**لا**" کو اپنی ناف کے اوپر اور دل کے نیچے سے کھینچ حتیٰ کہ اسے دائیں شانے تک لا پھر یہاں "**الٰہ**" کہہ اب "**الا اللّٰہ**" کی ضرب زور سے دل پر لگا یہ ضرب اس قدر شدید ہو کہ تجھے دل پر لگنے کا احساس ہو۔ ذکر کا آغاز صوت خفی سے کر پھر درجہ بدرجہ اپنی آواز میں شدت پیدا کر۔ اسی آواز کی شدت کے ساتھ سر پھرانے میں تیزی کر یہاں تک کہ تیری حالت ایک مجنون کی سی ہو جائے اگر ایسے میں لوگ تجھے دیکھیں تو دیوانہ یا پاگل سمجھیں۔ دوران ذکر خود کو بیخود بنا لے اور اسی ذکر میں مست ہو جا تا کہ تیرے قلب پر انوار ذکر کا نزول ہو۔ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں:

یکون الذاکر علی وضوء تام ویذکر بضرب شدید وصوت قوی حتی یحصل انوار الذاکر فی بواطن الذاکرین وتصیر قلوبھم	"ذکر مکمل وضو کے ساتھ ہو اور اس کو ضرب شدید اور بھرپور آواز کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے حتیٰ کہ ذاکر کے (ذکر سے پیدا ہونے والے) انوار

احیاء بھذہ الانوار حیاۃ ابدیہ
(سرالاسرار: ۱۰۴)

دوسرے ذاکرین کے باطن پر اثر انداز ہوں اور ان کے دل ان انوار الٰہیہ سے ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں"۔

آداب ذکر کے بیان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے چند چیزیں نہایت اہم بیان کی ہیں:

جمہور اہل طریقت متفق اند بر ادارہ راس بذکر، وتنزیل آں برقلب، ورعایت شد ومد، وسبب آں آنست کہ ایں کیفیت سبب انگیختن محبت است وسد خطرات (ہمعات: ۲۸)

"جمہور اہل طریقت ذکر کے وقت سر پھرانے اور دل پر اس (کیفیت) کے نزول، اور شد ومد کی رعایت کرنے پر متفق ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل اور کیفیت محبت کو ابھارنے اور خطرات کو روکنے کا سبب ہے"۔

پس ثابت ہوا کہ سر پھرانا، قلب پر ضربیں لگانا اور **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** میں شد ومد کی رعایت کرنا دوران ذکر نہایت ضروری ہے۔ ضرب لگانے کی تلقین شاہ صاحبؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"و الا اللہ را بہ تمام قوت بر دل ضرب کند"

(ذکر کے دوران) **اِلَّا اللّٰہُ** کی ضرب تمام قوت کے ساتھ دل پر لگائیں۔

علاوہ ازیں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دوران ذکر ذاکر کی حالت کیا ہونی چاہیے۔ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

باید کر برہیئت مرد متواجد کہ سر دل خود را نتواند پوشید باشد واگر ایں حال بے تکلف بدست نیاید باید کہ ادعائے آں حال کند وبہر صفت خود را باں کیفیت دہذ باید کہ بلند گفتن بقدر ظہور وجد باشد ہر چند گرمی وجد بیشتر صوت بلند تر

"مناسب یہ ہے کہ (ذاکر) کی حالت وجد میں آئے ہوئے اس شخص کی طرح ہو جو اپنے دل کے رازوں کو چھپانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اگر یہ حالت آسانی سے نہ بن سکے۔ تو اس حال کو اپنے آپ پر طاری کرنے کی

وتواتر وشدت ضرب زیادہ تر

(لمعات:۲۸)

کوشش کرے اور ہر صورت میں اپنے آپ کو اس کیفیت میں دیکھے۔ اور اتنا بلند کہے کہ وجد کا اظہار ہو جتنی وجد کی گرمی زیادہ ہو اتنی آواز بلند و متواتر ہو اور ضربوں کی شدت بڑھتی جائے"۔

چار انواعِ ذکر

اے سالک طریقت! جان لے کہ عام سالکین کے لئے ذکر کے چار انواع ہیں ذکر ناسوتی جیسے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** ذکر ملکوتی جیسے **الا اللہ** ذکر جبروتی جیسے **اللہ** اور ذکر لاہوتی جیسے **ھو ھو** ان سب میں اعلیٰ مرتبہ ذکر ناسوتی کا ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ نے زیادہ پسند فرمایا۔

ابتداء میں تو"لَا الٰہ" کہتے وقت اپنے تصور میں دل سے محبت غیر کی نفی کر اور جب تو اس میں رسوخ حاصل کرے تو سرے سے وجود غیر کی نفی کر۔

مولانا صدیق حسن بھوپالی ذکر نفی اثبات کے بیان میں رقمطراز ہیں:

وقت گفتن **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** ذات خود وجمیع ماسوی اللہ را در حکم عدم پندارد ودر وقت گفتن **الا اللہ** ذات مجرد بی کیف حضرت رب باری تعالیٰ را اثبات نماید وتصور اما بر صفت تعظیم ومحبت ہرچہ تمامتر وبریں ذکر ہمیشہ مداومت نماید تاآنکہ حضور ذات بی کیف او سبحانہ بغیر **تکلف** لازم ودائم گردد (الروض الخصیب:۱۰۵)

"**لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہتے وقت اپنے آپ اور اللہ کے سوا ہر شئے کو معدوم سمجھے اور **الا اللہ** کہتے وقت اس رب تعالیٰ کی تنہا ذات بے کیف کا اثبات اور تصور کرے مگر تمام تر تعظیم و محبت کے ساتھ۔ اور اس ذکر کو مسلسل جاری رکھے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ کی ذات بے کیف' بغیر **تکلف** کے ہمیشہ اس کے سامنے آجائے گی"۔

اے طالب حق! جب تو ذکر کے لئے بیٹھے تو نور خدا کو بند آنکھوں سے دیکھ اس طرح کہ گویا کائنات کی ہر شے تجھ کو اور تیرے دل کو محیط ہے۔

مولانا صدیق حسن بھوپالیؒ ذکر اسم ذات کا بیان یوں کرتے ہیں۔

اسم ذات را کہ عبارت از کلمۃ اللہ ست با مدو شد بادل خود بگوید و ضرب سازد کہ اثر گرمی آن در دل پیدا گردد و در ہر بار و ہر مرتبہ تصور کند کہ ہیچکس غیر اللہ مقصود و محبوب و مطلوب و معبود نیست تا آنکہ دل خود را از محبت ما سوی اللہ خالی بیند و وجودات عالم و عالمیاں را معدوم داند و ذکر و مذکور یکی گردد و ذاکر ہستی خود را فانی در ہستی مذکورہ پندارد --- اشارت ست بدان وَقُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ

(الروض الخصیب: ۱۰۶)

"اسم ذات کو جو کہ لفظ اللہ سے عبارت ہے اپنے دل سے مدو شد کے ساتھ ادا کرے کہ اس کا اثر دل میں گرمی پیدا کرے اور ہر مرتبہ یہ تصور کرے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی مقصود' محبوب' مطلوب اور معبود نہیں یہاں تک کہ دل کو اللہ کے سوا ہر محبت سے خالی دیکھے' اور عالم اور اشیاء عالم کو معدوم جانے اور پھر ذکر و مذکور ایک ہو جائے۔ ذاکر اپنی ہستی کو مذکور (اللہ) کی ہستی میں فنا سمجھ لے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ "فرما دیجئے کہ اللہ (ہی نے کتابیں نازل کیں اور نبیوں کو بھیجا اور پھر اب تمہاری ہدایت کے لئے قرآن بھیجا) پھر ان کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجئے کہ اپنی خرافات باتوں میں وقت ضائع کرتے رہیں"۔

اے مبتدی میرے شیخ نے مجھے یوں ہدایت کی ہے کہ لا کی مد کا اور الا اللہ کی شد کا خاص خیال رکھ پھر الہ میں ل کو لمبا کر اور ہ کو چھوٹا کر لا الہ کا حصہ نفی پر مبنی ہے

پس اسی سانس میں ہی اثبات کا ذکر کر اور فوراً **الا اللہ** کہہ۔ لفظ اللہ کی آخری ہ برکت والی ہے اسے بھی زور سے ادا کر۔

جب تجھے نفی واثبات کے ذکر میں وجدانی کیفیت حاصل ہو تو بیشک ذکر ملکوتی **الا اللہ** پر اکتفا کر اور ضربیں شدید سے شدید تر کر دے۔ جس وقت تیرا دل ذکر کرنے لگے پھر خاموش ہو جا اور دل کا ذکر سن۔ میرے شیخ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ ذکر سے کم از کم آدھ گھنٹہ بعد تک پانی نہ پی کہیں گرمیٔ ذکر نہ بجھ جائے۔

پس اے سالک اس طریقے پر مداومت اختیار کر اور دل کو ذکر کا عادی بنا۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد تجھے دوران ذکر نور نظر آنے لگے۔ اس نور کو پہچان اور اس تک کیفیت کی حفاظت کر اپنی حالت اس سے کم نہ ہونے دے۔

اگر تو ذکر جبروتی ولاہوتی کو پسند کرتا ہے تو ان کو جمع کر اور "**اللہ ھو**" کے ذکر سے دل کو زندہ کر۔

اے سالک تیرے لئے ذکر پاس انفاس بھی ہے اگر چاہے تو اس سے نفع حاصل کر۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب تو سانس اوپر کھینچے تو **لا الہ** کہہ اور جب نیچے لائے تو **الا اللہ** کہہ اس میں بھی شدت سے سانس کے ذریعے دل پر ضرب لگا مگر زبان کو قطعاً جنبش نہ دے اور اگر تو **اللہ ھو** کا ذکر کرنا چاہے تو اللہ سانس اوپر کھینچتے وقت کہہ اور ھو سانس کو نیچے لاتے وقت۔ **الا اللہ** اور **ھو** سے دل پر ضرب لگا یہاں تک کہ تیرا دل خود ذکر کرنے لگے۔

جب تو ان طریقوں پر ذکر کرتا رہے گا تجھے لذت اور کیف و سرور کی حالت نصیب ہوتی جائے گی اس کیفیت کی محافظت اور نگہبانی کر۔ اب تجھے انوار کی غذا ملے گی تیرے دل کو مسرت وطمانیت حاصل ہوگی اس کی مزید بڑی نشانی یہ ہے کہ تجھے خاموشی سے انس ہو جائے گا بولنے سے تجھے وحشت ہونے لگے گی۔ پھر جب تو خلوت میں خاموشی کے ساتھ دل کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے گا تو تجھے اندر سے ایک لطف و سرور

محسوس ہوگا جسے تو بیان نہ کرسکے گا اسکی مثال ایسے ہے کہ تو کوئی شاندار غذا یا پھل کھائے جس کے ذائقے سے تو مسرور ہو اب جو مزہ اور لطف تجھے غذا کھانے کے دوران آیا تو لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرسکتا تو بڑی کوشش کرتا ہے کہ اس لطف کو الفاظ کے قالب میں ڈھالے مگر بے بس ہے حتیٰ کہ تجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس کا جی وہ مزہ چکھنے کا ہو وہ خود وہی غذا یا پھل کھا کر دیکھ لے۔ اسی طرح یہ روحانی لطف جو تجھے ذکر سے حاصل ہوتا ہے بیان سے باہر ہے اس کا تعلق تجربے سے ہے احساس سے ہے مشاہدہ سے ہے مگر زبان یا قلم اس کی وضاحت سے قاصر ہیں۔

اے سالک! ان چیزوں کو کرامت سمجھ کہیں تو غرور کا شکار نہ ہو جائے اور پھر پستی کے گڑھوں میں جا گرے۔ لوگوں سے یہ کیفیت بیان نہ کرتا پھر یہ چھپانے کی چیزیں ہیں۔ اگر تو ان ابتدائی انعامات پر اکتفا کر بیٹھا تو ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گی ان سے آگے بڑھ اور فکر و مراقبہ کی جانب رجوع کر۔

شاہ ولی اللہ دہلوی "ذکر" کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ذکر اہل عشق کی طرح کر اسے وظیفہ نہ سمجھ۔

"ذکر کند بطور اہل محبت و عشق نہ بطور وظیفہ چنانکہ سابقا میکرد واسعد ناس بذکر کے است کہ صحیح المزاج وقوی العشق باشد۔ وآنکہ متساہل و مختل المزاج است یا صفت عشق و محبت بروے مستولی نمے شود او را ازیں راہ چندیں بہرہ نیست

(ہمعات: ۲۷)

"محبت اور عشق والوں کی طرح ذکر کرو اسے فقط وظیفہ نہ سمجھو جیسا کہ پہلے کرتے تھے اور لوگوں میں سے سب سے نیک بخت ذاکر وہ ہے جس کا مزاج درست ہو، عشق قوی ہو، کاہل یا بد مزاج یا جس میں عشق و محبت کے آثار ظاہر نہ ہوں اسے اس راہ سے خاص فائدہ نہیں"۔

اے سالک طریقت! یہ ذکر و اذکار مکمل طور پر اپنے شیخ کی اجازت و نگرانی میں کر۔ ان کے علاوہ شب و روز کے وظائف و اوراد بھی اپنے شیخ سے تجویز کروا تاکہ ہر حال میں اس کی نظر

تجھ پر ہو۔ استغفار کی ایک تسبیح یومیہ کم از کم ضرور پڑھ اسی پر رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا۔ درود شریف میں کثرت کر اپنے اوراد و وظائف میں بھی حضور شیخ کا تصور قائم کر تاکہ ہر لمحہ تیرا ربط تیرے شیخ سے کامل رہے۔ تجھے مشائخ کی زیارتیں ہوں گی انبیاء علیہم السلام کی زیارت تو خوابوں میں کرے گا۔ تیرا شیخ پھر ہر حال میں تجھے زیارت کرائے گا اور ان معاملات میں رہنمائی کرے گا۔ اے سالک خوش بخت! ذکر کی کثرت ہو تو دماغ کو روغن کے ذریعے تری بہم پہنچا۔ یہ تیرے لئے انتہائی ضروری امر ہے اگر تو نے اس میں تغافل برتا تو پھر ممکن ہے تیرے دماغ میں خشکی ہو جائے تیرا دماغی توازن مختل ہو جائے اور نادان لوگ تجھے مجذوب سمجھنے لگیں اس پرہیز کو ازبس لازم سمجھ اور ان پر عمل پیرا ہو۔

حلقۂ ذکر کا قیام

اے سالک! ایک اور بات تیرے حق میں مفید ہے اور وہ ہے حلقۂ ذکر کا قیام۔ تیرے احوال میں جو ترقی مجلس ذکر کے ذریعے ہوگی وہ گوشہ تنہائی میں مشکل ہے۔ تو ابھی مبتدی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے کثرت خلوت کی بنا پر تنہائی سے وحشت و نفرت ہو جائے اس لئے جمعرات کو اپنے احباب اور دیگر سالکین کے ساتھ مل کر ذکر بالجہر کر۔ ایک دوسرے کے ذکر کا دل پر کافی اثر ہوتا ہے۔ یہ حلقۂ ذکر خود خدا اور رسول خدا کو بہت پسند ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان لله تبارک و تعالی ملئکه سیاره	"بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ
فضلا یبتغون مجالس الذکر فاذا	گشت کرنے والے فرشتے ہیں جو ذکر
وجدوا مجلسا فیه ذکر قعدوا	کی مجالس کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں جب
معهم وحف بعضهم بعضا	وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان
فاجنحتهم حتی یملوا ما بینهم	(ذاکرین) کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور
وبین السماء الدنیا فاذا تفرقوا	اپنے پروں سے بعض فرشتے بعض
عرجوا و صعدوا الی السماء قال	دوسرے فرشتوں کو ڈھانپ لیتے ہیں

فیالهم عز وجل وهم اعلم بهم من أین جئتم فیقولون جئنا من عند عباد لک فی الارض یسبحونک و یکبرونک ویهللونک ویحمدونک ویسالونک قال وماذا یسالونی قال یسئلونک جنتک قال وهل راوا جنتی قالوا لا ای رب قال اکیف لو راوا جنتی قالوا ویستجیرونک قال و مما یستجیرونی قالوا من نارک یارب قال وهل راوا ناری قالوا لا قال فکیف لو راوا ناری قالوا ویستغفرونک قال فیقول فقد غفرت لهم واعطیتهم ماسالوا واجدتهم مما استجاروا قال یقولون رب فیهم فلان عبد خطاء انما مر فجلس معهم قال فیقول وله غفرت هم القوم لایشقی بهم جلیسهم

(صحیح مسلم، ۲: ۳۴۴)

حتیٰ کہ زمین سے لے کر آسمان دنیا تک جگہ بھر جاتی ہے۔ جب ذاکرین مجلس سے اٹھ جاتے ہیں تو یہ فرشتے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں پھر اللہ رب العزت ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ اس کو ان سے زیادہ علم ہوتا ہے، تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین سے تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو **سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ** کہہ رہے تھے اور تجھ سے سوال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ مجھ سے کیا سوال کر رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے تیری جنت کا سوال کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری جنت کو دیکھ لیتے تو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اور وہ تجھ سے پناہ طلب کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب! تیری دوزخ سے پناہ

مانگتے تھے؟ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کیا انہوں نے میری دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں اللہ تعالٰی فرماتا ہے اگر وہ میری دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر کس قدر پناہ مانگتے! فرشتے عرض کرتے ہیں اور وہ تجھ سے استغفار کرتے تھے' آپ نے فرمایا اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں نے ان کو بخش دیا اور جو کچھ انہوں نے مانگا وہ میں نے ان کو عطا کر دیا اور جس چیز سے انہوں نے پناہ مانگی اس سے میں نے ان کو پناہ دے دی۔ آپ نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اے میرے رب! ان میں فلاں بندہ خطاکار تھا وہ اس مجلس کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آپ نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں کیا جاتا۔"

(۵) تفکر و مراقبہ

اے سالک جب تجھے وجدانی کیفیت حاصل ہو چکے اور تو خاموشی و خلوت سے مانوس ہو جائے تو چاہیئے کہ تو لوگوں سے اختلاط و گفتگو کم کر دے۔ ان سے صرف مطلب کی بات نہایت اختصار سے کر اور زیادہ وقت تنہائی میں گزار۔ تاکہ وجد و شوق کی

کیفیت تیرے اندر خوب راسخ و مستحکم ہو جائے۔ جب تو اس راہ طریقت میں اس مقام پر پہنچے تو فکر و مراقبہ اختیار کر۔

۱۔ اے سالک فکر و مراقبہ سے مراد یہ ہے کہ تو اپنی تمام قوت، شعور اور ادراک صفات باری تعالیٰ کے تصور میں لگا۔ یا نقشہ حشر اپنے تصور کی مدد سے بنا یا اس کائنات میں خدا کی قدرتوں پر غور کر فکر و سوچ میں اس طرح محو و مستغرق ہو کہ تیری عقل تیرا وہم و خیال اور تیرے تمام حواس "توجہ و فکر" کے مکمل تابع ہو جائیں۔ تجھے ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ غیر مرئی اشیاء تجھے نظر آنے لگیں۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جسے قدرت کی طرف سے غیر مرئی اشیاء پر توجہ کرنے کی طبعاً زیادہ استعداد ودیعت ہوئی ہے۔

۲۔ اے سالک یاد رکھ فکر و مراقبہ کا انحصار کمال توجہ پر ہے۔ فکر و مراقبہ میں سب سے پہلے یہ خیال رکھ کہ جب تو گوشہ تنہائی میں بیٹھے تو نور خدا کو ساری کائنات میں جلوہ گر دیکھے۔ خدا کے نور کی طرف اس طرح اپنی توجہ مبذول کر کہ وہ ہر شے کو اندر سے باہر سے اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے الغرض تمام جہات سے گھیرے ہوئے ہے تو نور خدا کو ہر جہت و سمت سے پاک و منزہ ہونے کے باوجود اس طرح دیکھ گویا ساری فضا اسی کے نور سے جاری و ساری ہے۔ غرض یہ کہ ذات حق کی ہمہ گیری کو چشم بصیرت کے سامنے اس طرح متشکل کر کہ تجھے ہر طرف اسی کا نور ہی نور نظر آئے اور پوری دل جمعی سے اس بات کا یقین رکھ کہ کون و مکان میں نور الٰہی کی یہ جلوہ گری میرے فکر و مجاہدہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ نور از خود بغیر میری کسی سعی و کوشش کے جلوہ فگن ہے۔

اس طرح تیرا دل منور ہو گا اور اس سے انوار کے سوتے پھوٹتے ہوئے تجھے نظر آنے لگیں گے **فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ** اے سالک اس مقام کے حصول کا انحصار تیری اپنی استعداد پر ہے جب تو اس منزل میں راسخ ہو جائے گا تو اس نور مشہود سے آگے دوسرا قدم اٹھانے کے قابل ہو گا۔ اب تو فکر و مراقبہ کی حالت میں نور الٰہی کے اس مشہود تصور میں سے تمام اشیاء کے وجود کی نفی کر دے۔ ان موجودات کون

ومکاں کو کالعدم قرار دے جن کو ہر طرف سے نور حق گھیرے ہوئے تھا۔ جب وہ اشیاء نہ رہیں گی تو صرف نور خدا ہی جہت وسمت اور داخل وخارج سے پاک ومنزہ ہو کر تیرے سامنے جلوہ گر ہو جائے گا۔ اے سالک پہلے تو اشیاء کی نسبت سے نور حق کا تصور کرتا تھا اب ان کے بغیر براہ راست نور حق کو دیکھے گا یہ نسبت بے رنگی کہلاتی ہے۔ اس کے لئے تجھے محنت کرنا پڑے گی اور جب اس کا ثمر تجھے حاصل ہو گا تو انگشت بدنداں رہ جائے گا۔ اے سالک یاد رکھ "نور مشہود" کا تصور فکر ومراقبے کا پہلا قدم ہے اور نسبت بے رنگی کا مقام اس کا دوسرا قدم

۳۔ جب سالک کے اندر یہ کیفیت راسخ ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا شیخ کسی خاص نسبت کی تلقین کر دیتا ہے اس نسبت کے لئے توجہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اب شیخ اپنے مرید کو ذات حق کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کسی خاص "توجہ اور نسبت" کے ذکر کی تلقین کرتا ہے۔ ہم انشاء اللہ آگے چل کر "نسبت" اس کی حقیقت اور اس کے اقسام پر بھی گفتگو کریں گے۔

۴۔ مشائخ تصوف کے ہاں بہت سے مراقبے مروج ہیں۔ بعض مراقبے دل کو ادھر ادھر کے خیالات سے فارغ کر کے پورے اطمینان کے ساتھ ذات واحد کی طرف متوجہ کرنے کے لئے استنباط کئے گئے ہیں۔ اس قسم کے مراقبوں کے لئے ناک پر نظر جمائے رکھنے کی مشق کی جاتی ہے۔ بعض مراقبے نفس کی خواہشات کو دبانے اور اسے اس قابل بنانے کے لئے کئے جاتے ہیں کہ وہ ذات مجرد کی طرف پوری طرح متوجہ ہو سکے۔ اس قسم کے مراقبوں کے لئے آفتاب کو مسلسل دیکھنے یا خلا کی طرف نظر جمانے کی مشق کی جاتی ہے۔ بعض مراقبوں سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ نفس درجہ بدرجہ اپنے اندر استعداد پیدا کر لے کہ وہ تصورات کو اپنے ذہن میں متشکل دیکھ سکے۔ اس غرض کے لئے اللہ کا نام کاغذ پر لکھ کر اس کو برابر دیکھنے کی مشق کی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اور مراقبے ہیں جن میں ذات حق کی طرف "توجہ" کرنے کے طریقے معین کئے گئے ہیں۔ مشائخ نے اس "توجہ" کی دو قسمیں

کی ہیں۔ ایک "توجہ" اسم کی طرف --- دوسرے یہ کہ مسمی کی طرف توجہ کی جائے۔

۵۔ مراقبے سے سالک کے اندر جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسے وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جس کو "لطائف کی زبان میں کھل جانے" کا مقام کہتے ہیں۔ یعنی دل و دماغ اور انسان کی دوسری استعدادوں کو گویا قوت گویائی مل جاتی ہے۔ اس ضمن میں بعض مشائخ مراقبوں میں سالک کو کسی ایک "نسبت" کو ملحوظ نظر رکھنے کی تلقین کرتے ہیں مثلاً وہ اسے "**انت فوقی انت تحتی**" کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں۔ اس سے سالک کے لئے "نسبت توحید" کی راہ نزدیک ہو جاتی ہے الغرض یہ میدان بڑا وسیع ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق اور ادراک کے مطابق مختلف قسم کے مراقبے کئے ہیں۔ (**وللناس فیما یعشقون مذاهب**)

باب ۔ ۴

تصوف واحسان

اور

انسانیت کی چار بنیادی خصلتیں

تصوف کی حقیقت

تصوف واحسان بنیادی طور پر نہ خالی ذکرواذکار کا نام ہے اور نہ مخصوص طور واطوار کا' یہ سب چیزیں اس کی فروع ہیں۔ اصل تصوف تو انسان میں بنیادی سطح پر ایسی روحانی تبدیلی پیدا کرنا ہے جو اس کے جملہ اخلاق اور خصلتوں کو بدل ڈالے اور انسان مکارم اخلاق اور روحانی اقدار کا پیکر بن جائے۔ یہی خصلتیں اور بنیادی اخلاق سلوک وروحانیت کے باغ کیلئے زمین کا کام دیتے ہیں۔ اب ہم ان خصلتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

تہذیب نفس کے سلسلے میں شریعت کا مقصود دراصل یہ ہے کہ انسانوں میں یہ چار خصلتیں پیدا ہوں اور جو چیزیں ان چار خصلتوں کے خلاف اور ان کی ضد ہیں' ان کی نفی کی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام انہی چار خصلتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مبعوث فرمائے اور تمام شرائع الٰہی کا یہی مقصد ہے کہ وہ ان چار خصلتوں کی تلقین کریں اور انہیں کو حاصل کرنے کی طرف لوگوں کو رغبت دلائیں۔ نیز جن رسوم اور اعمال سے یہ خصلتیں پیدا ہو سکتی ہیں' ان کی لوگوں میں ترویج کریں۔ الغرض شرائع الٰہی میں ترغیب و تحریص کا سارا زور انہی چار خصلتوں کے پیدا کرنے پر مرکوز ہے اور جن چیزوں سے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے وہ حقیقت میں ان چار خصلتوں ہی کی ضد ہیں۔

" بر " یعنی نیکی' عبارت ہے ان اعمال اور ذرائع سے' جن سے یہ چار خصلتیں پیدا ہوتی ہیں وہ اعمال اور وسائل جو ان خصلتوں کے خلاف اثر پیدا کرتے ہیں ان میں پڑنا "اِثم" یعنی بدی اور گناہ ہے۔

اخلاق حسنہ کی حقیقت بھی یہی چار خصلتیں ہیں۔ جس شخص نے ان چار خصلتوں کی اصل حقیقت کو اپنے ذوق و وجدان سے جان لیا اور وہ اس راز کو بھی پا گیا کہ ہر زمانے میں اور ہر قوم میں جو بھی شریعت بنی' اس شریعت کے پیش کردہ احکام اور

اعمال کس طرح ان چار خصلتوں تک پہنچے اور وہ ان کی تکمیل کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔ الغرض جس شخص نے اس راز کو معلوم کرلیا' وہ صحیح معنوں میں "فقیہہ فی الدّین" اور "راسخ فی العلم" ہے۔ وہ شخص جس نے کہ شریعت کے ظاہری اعمال میں ان خصلتوں کا سراغ لگایا۔ ان کے رنگ میں رنگا گیا اور اس نے اپنی ذات کے اصل جوہر میں ان خصلتوں کا اثر جذب کرلیا تو اس کا شمار "محسنین" میں سے ہوگا۔

ا۔ پہلی خصلت-----طہارت

ان چار خصلتوں میں سے پہلی خصلت طہارت ہے۔ قدرت نے ہر سلیم النفس انسان میں یہ خصلت ودیعت کی ہے اور اس میں فطری طور پر طہارت کی طرف میلان رکھا ہے۔ اگر ایک شخص اپنی سلامتیٔ فطرت پر رہے اور باہر سے کوئی اور چیز اس کے نفس میں خلل انداز نہ ہو تو لامحالہ وہ طہارت کی خصلت کا حامل ہوگا۔

لفظ طہارت سے کہیں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس جگہ طہارت سے ہماری مراد وضو اور غسل سے ہے۔ طہارت سے دراصل یہاں مقصود وضو اور غسل کی روح اور ان سے انسان کو جو نور و انشراح حاصل ہوتا ہے اس سے ہے۔جب کوئی شخص حاجات سے فراغت حاصل کرلیتا ہے وہ غسل کرتا ہے' زائد بالوں کو جسم سے دور کرتا ہے' نئے کپڑے پہنتا ہے اور خوشبو لگاتا ہے۔ اس حالت میں وہ اپنے صحیح وجدان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے بڑی مسرت محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنے اندر سرور و انشراح پاتا ہے۔ جب اس کی پہلی حالت ناپاکی اور حدث کی تھی اس کی وجہ سے اس کی طبیعت پر تاریکی چھائی ہوئی تھی موجودہ حالت طہارت کی ہے جس سے اس کی طبیعت پُر مسرت اور ہشاش بشاش ہے۔

انسان کے نفس کو جب ناپاکی کی تاریکی گھیر لیتی ہے تو اس کے اندر شیطانی وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ خوفناک خواب دیکھتا ہے اور اس کے دل پر سیاہی ہجوم کر آتی ہے۔ جب اس پر نور طہارت کا دائمی غلبہ ہوتا ہے تو اس کے لئے فرشتوں

کے الہامات ہوتے ہیں۔ وہ اچھے اچھے خواب دیکھتا ہے اور نیند اور بیداری دونوں حالتوں میں ایک نور اس کے دل کا احاطہ کئے رہتا ہے۔

نور طہارت کی یہ کیفیت انسان کی جملہ کیفیات میں سے سب سے زیادہ ملاء اعلیٰ سے مشابہ ہوتی ہے۔ ملاء اعلیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہیمیت کی تمام آلائشوں سے پاک ہے اور انہیں بذات خود اپنے آپ سے سرور وانبساط ملتا ہے۔

(۲) دوسری خصلت----- خشوع وخضوع

طہارت کے بعد دوسری خصلت اللہ تعالیٰ کی جناب میں خشوع وخضوع اور اس کی طرف اپنی چشم دل کو یکسر متوجہ کر دینے کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلیم النفس آدمی کو جب کہ وہ اپنی طبیعت کی داخلی ضرورتوں اور گردوپیش کی خارجی پریشانیوں سے فراغت حاصل کر چکا ہو اگر اسے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی صفات، جلالتِ شان اور کبریائی یاد دلائیں اور اس کو کسی نہ کسی طریق سے ذاتِ باری کی طرف متوجہ کر دیں تو اس وقت اس شخص پر حیرت ودہشت کی سی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور مادیات سے ماوراء جو مقدس اور مجرد عالم ہے اس عالم کے رنگوں میں سے ایک نہ ایک رنگ اس شخص کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے۔ چنانچہ جب یہ شخص حیرت ودہشت سے گزر آتا ہے تو اس شخص کی یہی حیرت ودہشت، خشوع وخضوع اور عجز ونیاز مندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت اس شخص کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک غلام اپنے آقا کی حضوری میں ہوتا ہے یا ایک دہقان بادشاہ کے روبرو حاضر ہوتا ہے یا جس طرح ایک محتاج سائل ایک فیاض آدمی کے در پر کھڑا ہو۔

انسان کی خشوع وخضوع اور دعا ومناجات کی یہ کیفیت اس کی باقی تمام کیفیات سے زیادہ ملاء اعلیٰ کے وفور شوق کی اس کیفیت سے مشابہ ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان اور اس کی کبریائی کے لیے پائی جاتی ہے۔ جب انسان کا دل خشوع وخضوع کی کیفیت میں بالکل رنگا جاتا ہے اور خشوع وخضوع کا ملکہ اس کی فطرت کے جوہر اصلی

کا ایک حصہ بن جاتا ہے تو اس حالت میں اس شخص کے نفس اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس کے راستے سے اس شخص پر ملاء اعلیٰ کی طرف سے جلیل القدر علوم و معارف نازل ہوتے ہیں۔ ان علوم و معارف کے لیے تجلیات الٰہی قالب بنتی ہیں۔

(۳) تیسری خصلت----- سماحت

طہارت اور خشوع و خضوع کے بعد تیسری خصلت سماحت کی ہے سماحت کے معنی یہ ہیں کہ انسان لذتوں' انتقام' بخل' حرص اور اس طرح کی اور بری باتوں کے پیچھے اپنے نفس کی سفلی خواہشات کا غلام نہ ہو۔ انسان میں جتنی خواہشات ہیں' اسی قدر سماحت کے بھی شعبے ہیں۔ چنانچہ ہر خواہش کے مقابلے میں سماحت کے اس شعبے کو الگ نام دیا گیا ہے مثلاً شہوانی اور نفسانی خواہشات کا اثر قبول نہ کرنا عفت ہے۔ تن آسانی اور ترک عمل کی خواہش سے مغلوب نہ ہونا اجتہاد ہے۔

گھبراہٹ اور پریشانی کی خواہش کو روکنا صبر ہے۔

انتقام کی خواہش سے مغلوب نہ ہونا عفو ہے۔

حرص کی خواہش سے بچنا قناعت ہے۔

شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں۔ ان سے تجاوز کرنے کی خواہشات کو دبانا تقویٰ ہے۔

الغرض یہ تمام چیزیں سماحت میں داخل ہیں لیکن ان سب کی اصل صرف ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ عقل کے پاکیزہ احکام کو نفس کی بہیمی خواہشات پر پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ سماحت کے ضمن میں جن اعمال اور افعال کا ابھی ذکر ہو چکا ہے' انسان ان اعمال و افعال کو اس طرح کرے اور اتنا طویل عرصہ برابر کرتا رہے کہ سماحت کی اصل حقیقت بطور ایک کیفیت کے' نفسِ انسانی میں جاگزیں ہو جائے اور نفس سماحت کی اس کیفیت کو ایک مستقل ملکہ بنا لے۔ صوفیا نے اس خصلت کا نام زہد'

حریت اور ترک دنیا بھی رکھا ہے۔

(۴) چوتھی خصلت ----- عدالت

ان چار خصلتوں میں سے آخری خصلت عدالت کی ہے اور عدالت ہی پر دنیا میں عادلانہ نظام اور سیاسی اصول و کلیات کا دار و مدار ہے۔ عدالت کے بہت سے شعبے ہیں۔ ان میں سے ایک شعبہ ادب کا ہے۔ ایک آدمی اپنی حرکات و سکنات پر برابر نظر رکھتا ہے اور اس ضمن میں جو بہتر وضع ہوتی ہے اسے وہ اختیار کرتا اور اس پر چلتا ہے۔ جو بھی معاملہ اسے پیش آتا ہے اس میں وہ مناسب ترین پیرایہ اختیار کرتا ہے اور اس کی طبیعت کا فطری طور پر اسی طرف میلان بھی ہوتا ہے۔ اس شخص میں جب یہ کیفیت بطور عادت کے پیدا ہو جاتی ہے تو اسے ادب کہتے ہیں --- انسان کا اپنے کاموں کی دیکھ بھال اور آمد و خرچ، خرید و فروخت اور اس طرح کے دوسرے معاملات میں عدالت کو ملحوظ رکھنا کفایت ہے۔

ساتھیوں میں اچھی طرح زندگی گزارنا، ہر شخص کا حق ادا کرنا، ہر ایک کے ساتھ حالات کے مطابق الفت برتنا اور اس سے خندہ پیشانی سے ملنا حسن معاشرت ہے۔ الغرض یہ تمام خصلتیں عدالت کے شعبے ہیں اور ان سب کی اصل ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ انسان کا نفس ناطقہ خود اپنی فطرت کے تقاضے سے عادلانہ نظام اختیار کرے اور نہ صرف اختیار کرے بلکہ وہ اس نظام کو برسرکار لانے میں کوشاں بھی ہو۔

جس شخص میں عدالت کی خصلت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے اس شخص کو ملاء اعلیٰ کے ان افراد سے بہت مناسبت ہو جاتی ہے جو دنیا میں حق سبحانہ کی فیض رسانیوں کا واسطہ بنتے ہیں۔ اس شخص پر ملاء اعلیٰ کے ان افراد کے دلوں سے سورج کی شعاعوں کی طرح نور کی بارش ہوتی ہے۔ جو شخص دنیا میں عادلانہ نظام کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ شریعت کے احکام کو بجا نہیں لاتا اور ایسے کام کرتا ہے، جن سے عام لوگوں اور انسانی قدروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس شخص کے اور ملاء اعلیٰ کے ان افراد کے درمیان

جو دنیا میں فیوض الٰہی اور نعمت ہائے خداوندی کو پہچاننے کا ذریعہ ہوتے ہیں، نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی طرف سے اس شخص پر ظلمت و تاریکی کی بارش ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے صفت طہارت کے اکتساب کیلئے وضو، غسل اور اس طرح کی اور چیزیں ضروری قرار دی ہیں۔ خشوع و خضوع کی خصلت کے حصول کیلئے نمازیں، نوافل، دعا و مناجات، تلاوتِ قرآن، ذکر و اذکار اور توبہ و استغفار وغیرہ کے اعمال مشروع فرمائے ہیں۔ اسی طرح سماحت کے حصول کیلئے عفو و درگزر، ایثار، انفاق، حسن خلق اور اس طرح کے دیگر اخلاق حسنہ معین کیے ہیں۔ اور عدالت کی خصلت پیدا کرنے کے لیے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیماروں کی عیادت کا حکم، ہر ایک کو السلام علیکم کی تلقین اور اس کے علاوہ کئی شرعی حدود اور آداب معین کیئے ہیں۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ!

ایک شخص ہے جس نے صفت احسان کو جو نور طہارت اور خلاصۂ مناجات سے عبارت ہے جان لیا پھر اس نے "احسان" کی اس صفت کو حاصل بھی کر لیا لیکن وہ کسی وجہ سے "احسان" کی کیفیت کو اپنے اندر نہیں پاتا اگر پاتا بھی ہے تو بہت کم درجے میں ---- اس شخص کو چاہیے کہ وہ اس امر کی تحقیق کرے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر اس کا سبب اس شخص کی طبیعت کی سرکشی ہے تو وہ اس کا تدارک روزوں کے ذریعے کرے۔ اگر شہوانیت کا غلبہ ہے تو اس کا مداوا نکاح سے کرے۔ اگر "صفت احسان" کی یہ حالت لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے ہوئی ہے تو وہ اعتکاف اور خلوت میں بیٹھے اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم کردے۔ اگر اس کے دماغ میں ادھر ادھر کے چند پریشان کن خیالات جمع ہو گئے ہیں اور اس کی صفت احسان پر برا اثر پڑا ہے تو وہ کافی عرصے تک ذکر و اذکار اور عبادات کرے۔ اگر اہل وطن کے رسوم و

رواج اور گرد و پیش کے حالات نے طبیعت پر اثر کیا ہے اور یہی چیز کیفیت "احسان" میں مخل ہو رہی ہے تو اسے چاہیے کہ عارضی ہجرت کرے یا خلوت اختیار کرے اور فکر و مراقبہ کی کثرت کرے۔

باب - ۵

سات نسبتوں کا بیان

سات نسبتوں کا بیان

ہمارے خیال میں نسبتوں کی حقیقت پر سب سے زیادہ عمدہ گفتگو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے کی ہے سو ہم اسی کے خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

اگر سالک روحانی اعمال اور ریاضات کے ذریعے اچھے مَلکات میں سے کوئی مَلکہ اپنے اندر اس طرح پیدا کرلے کہ وہ مَلکہ یعنی نفسی کیفیت اس کی روح کا پوری طرح احاطہ کرلے، وہ کیفیت ہمہ وقت اس کے ظاہر و باطن میں متمکن رہے اور سالک اس کے رنگ میں اس طرح رنگا جائے کہ اس کا جینا ہو تو اسی حال میں اور مرے تو اسی حال میں مرے یعنی وہ روحانی کیفیت نفس اور ملکہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے اور کسی وقت بھی اس سے جدا نہ ہو'اس راہ میں جو کیفیت اور حالت سالک کے نفس میں پختہ طریقے سے مستقلاً جاگزیں ہو جاتی ہے۔ گویا وہ اس کی ذات کے لیے لازمی اور فطری خصوصیت بن گئی ہے۔ اسے "نسبت" کہتے ہیں۔

ا۔ نسبتِ طہارت

وظائفِ سلوک کی راہ میں پہلی نسبت "طہارت" کی نسبت ہے۔اس نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص غسل کرتا ہے، اپنے بدن سے ناپاکی کی دور کرتا ہے، اور وضوء کرکے صاف کپڑے پہنتا اور خوشبو لگاتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک خاص قسم کا سرور اور اُنس محسوس ہوتا ہے۔ یہ سرور و اُنس کا احساس اس شخص کے طبعی قویٰ کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ یہ اثر اور پرتو ہوتا ہے نفس کی ملکی قوت کا۔ جب یہ شخص بار بار اس کیفیت سے بہرہ مند ہوتا ہے تو اس شخص کا نفس اس کیفیت کو بطور ایک ملکہ کے اپنا لیتا ہے اور یہ کیفیت اس کے لیے ایک مستقل خصوصیت بن جاتی ہے۔ عارف اس حقیقت کو پہچانتا اور اس سے لذت اندوز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے برعکس

جب وہ ناپاک ہوتا ہے یا اس کا بدن اور اس کے کپڑے نجس ہوتے ہیں' تو اس کی وجہ سے اس شخص کو انقباض اور وحشت ہوتی ہے۔ اس کے دل میں قلق اور عزم وارادہ میں انتشار وپراگندگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے دماغ میں طرح طرح کے تشویشناک خیالات اٹھتے ہیں۔ لیکن جونہی وہ اعمالِ طہارت بجالاتا ہے تو فوراً ہی اس پر وہی سرور وانس کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اندر پہلا سا سکون واطمینان محسوس کرتا ہے۔ الغرض جب یہ شخص طہارت کا حاصل' سرور وانس کی شکل میں اور ناپاکی کا اثر رنج ووحشت کی صورت میں جان لیتا ہے اور وہ اول الذکر سے لذت پاتا ہے اور دوسری چیز سے اسے اذیت ہوتی ہے' تو طبعاً اس کا میلان اس طرف ہو گا کہ وہ طہارت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے۔ طہارت سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے' اس کو وہ زیادہ سے زیادہ اپنے پیش نظر رکھے۔ اور وضو اور غسل پر ہمیشہ کاربند رہے۔

جب سالک اپنے اندر طہارت کا یہ ملکہ پیدا کرلے تو اس کے سامنے حقیقت ملائکہ اور ان کے انس وسرور کی طرف ایک وسیع راہ کھلتی ہے۔ اور وہ برف' ٹھنڈک اور راحت کے ایک دریائے بے کراں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس شخص پر ملائکہ کی طرح الہام ہوتا ہے اور اس کے لیے ملائکہ کو بذریعہ الہام ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ تدبیرِ الٰہی کے مطابق اس کی بہبود میں کوشاں ہوں۔ مرنے کے بعد جب یہ شخص دار آخرت میں پہنچتا ہے تو وہاں اس کا شمار ملائکہ میں ہوتا ہے اور وہ انہی میں سے ایک ہو جاتا ہے۔

"نسبتِ طہارت" کے حصول اور دل میں اس نسبت کے جاگزیں ہونے کی علامت یہ ہے کہ سالک پر ملکی واقعات بڑی کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے سامنے انوار کو روشن پاتا ہے۔

"نسبتِ طہارت" کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ سالک خلوت میں جائے پھر غسل کرے' نئے کپڑے پہنے اور دو رکعت نماز پڑھے اور دل سے خیالات اور

وسوسوں کو دور کرے، وہ اس کیلئے "یا نور" کا ذکر کثرت سے کرے۔ اسی طرح وہ بار بار غسل اور بار بار وضو کرے۔ بار بار نماز پڑھے اور ذکر کرے اور پوری توجہ اور ہمت سے سوچے کہ اس کی حالت پہلے جیسی ہے یا اس میں کچھ فرق آگیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر وہ تسلسل سے یہی عمل کرے گا' تو اسے "نسبت طہارت" حاصل ہو جائے گی۔ جب یہ نسبت اسے حاصل ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور جن چیزوں سے اس نسبت میں خلل واقع ہوتا ہے ان سے احتراز کرے۔

اس سلسلے میں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقتِ طہارت صرف وضو غسل ہی پر منحصر نہیں بلکہ وضو غسل کے علاوہ بہت سی اور چیزیں بھی ہیں جو ان کے حکم میں داخل ہیں۔ جیسے صدقہ دینا' فرشتوں اور بزرگوں کو نیکی سے یاد کرنا۔ وہ کام سرانجام دینا جن میں عام لوگوں کو فائدہ ہو' اور اس کی وجہ سے وہ لوگ دعائے خیر کریں اور ان کے دل خوش ہوں۔ ڈاڑھی مونچھ اور دوسرے بالوں کی ایسی وضع بنانا جو ملت میں مستحسن سمجھی جاتی ہے' اور انہیں بے ترتیب اور پراگندہ نہ رہنے دینا' مقدس مقامات' مساجد اور سلف کے آثار و مزارات میں اعتکاف کرنا' پاک اور سفید لباس پہننا' خوشبو استعمال کرنا' طہارت کی حالت میں سونا اور سوتے وقت ذکر کرنا' اِدھر اُدھر کے پریشان کن خیالات سے اپنے آپ کو بچانا' بدن سے موذی مادوں کو خارج کرنا' نفس کو خوش گوار ہوا اور خوشبو سے راحت پہنچانا۔ نیز ایسی چیزوں کا کھانا جو صالح غذائیت پیدا کریں تاکہ پریشانی اور اضطراب دور رہ سکے۔ یہ سب کی سب چیزیں طہارت کی کیفیت پیدا کرتی ہیں یا ان سے اس کو تقویت ملتی ہے۔

ناپسندیدہ شیطانی اوضاع کا اختیار کرنا فحش باتیں کرنا' اولیاء اور سلف صالحین پر طعن کرنا' بے حیائی کا ارتکاب' خوبصورت عورتوں یا بے ریش لڑکوں سے صحبت اختیار کرنا اور اپنے فکر کو ان کے محاسن میں لگائے رکھنا' زیادہ عرصے تک جماع کے خیالات کو دل میں مضمر رکھنا اور جتنی کہ طبعی ضرورت ہے اس سے زیادہ جماع میں

مشغول رہنا، کتوں اور بندروں کو اپنے اردگرد رکھنا۔ یہ سب کے سب مفاسد ہیں ان سے نسبتِ طہارت زائل ہو جاتی ہے

۲۔ نسبتِ طاعت (نسبتِ سکینہ)

ان نسبتوں میں سے ایک "نسبتِ سکینہ" ہے اسی کو "نسبتِ طاعت" کہتے ہیں اس نسبت کے تین شعبے ہیں:۔

نسبتِ طاعت کا پہلا شعبہ ۔۔۔ "حلاوتِ مناجات"

حلاوتِ مناجات کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کو نماز، ذکر واذکار اور دعا واستغفار کے ضمن میں یاد کرتا ہے تو نماز اور ذکر واذکار کے اعمال والفاظ میں غیب کا جو رخ پوشیدہ ہے، لامحالہ سالک کی توجہ ادھر مبذول ہو جاتی ہے۔ اس کا نفس ناطقہ اجمالی اور ضمنی طور پر ہر غیب سے آشنا ہو جاتا ہے اور اسے اس میں لذت ملنے لگتی ہے، چنانچہ اس طرح "توجہِ غیب" کا یہ ملکہ اس کے جوہرِ روح میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بظاہر ساکت وخاموش ہے لیکن اس کا دل اس کیفیت سے پُر ہے۔غیب کی طرف سالک کی یہ توجہ ایک اجمالی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اسے حلاوتِ مناجات، رغبتِ ذکر اور اسی طرح کے دوسرے ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"توجہِ غیب" کی اس اجمالی کیفیت کے حصول کے بعد سالک طبعاً کثرت سے ذکر ودعا کرتا اور بہت زیادہ توبہ واستغفار میں مشغول رہتا ہے۔ ان امور کو دلی رغبت سے بجالا کر دراصل وہ اپنے فطری تقاضے پورے کرتا ہے اور اپنی بصیرت اور مطالعہ کی مدد سے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اگر ایک گھڑی وہ ان مشاغل کو نہ کرے تو اس کا دل بے قرار ہو جاتا ہے اور اس کی حالت اس عاشق کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے محبوب سے جدا ہو گیا ہو لیکن اس کے بعد اگر وہ پھر ان اشغال کو کرنے لگے تو اس کو وہی کیفیت

حاصل ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس سے لذت اندوز ہونے لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی کیفیت کے حصول کے لیے صبح وشام کا ذکر' افتتاحی دعائیں' رکوع و سجود' دنیا و آخرت کی بہبود کے لیے اصرار والحاح سے دعائیں کرنا اور جن وانس کے شر سے خدا کی پناہ چاہنا وغیرہ امور کو لازمی قرار دیا ہے۔

"توجہ غیب" کی اس کیفیت کے حصول کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ سالک رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث "**قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی الخ**" کی حقیقت کو اپنے ملحوظ خاطر رکھے یعنی اسے اس بات پر یقین ہو کہ بندہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے خدائے رب العزت بندے کی ان معروضات کو سنتا اور ان کا جواب دیتا ہے جیسا کہ اُوپر کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ جب بندہ "**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ**" کہتا ہے تو اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی۔ اور جب بندہ **الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** کہتا ہے تو فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب بندہ "**مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ**" کہتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ "**اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ**" کہتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ یہ چیز خاص میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔ اور جب بندہ "**اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ**" کہتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ چیز خاص میرے بندے کے لیے ہے اور میں نے اپنے بندے کا سوال پورا کر دیا ہے غرضیکہ جو شخص "توجہ غیب" کی اس کیفیت کو حاصل کرنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ طویل سجدے کرے۔ دعا واستغفار میں اصرار اور منت وسماجت کرے اور کثرت سے ذکر واذکار کرے۔

نسبتِ طاعت کا دوسرا شعبہ --- "شمولِ رحمت"

"نسبتِ شمولِ رحمت" کی اصل حقیقت معلوم ہونی چاہیے کہ بارہا اس امر کا

مشاہدہ ہو چکا ہے کہ ذکر کی مجالس میں اور خاص طور پر جب وہ مجالس ذکر مساجد میں قائم ہوں۔ ذاکرین کی جماعت جب نماز و ذکر میں مشغول ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھی نہیں گزرتی کہ ان پر ملائکہ کی طرف سے برکات نازل ہوتی ہیں اور یہ برکات نسیم معطر کی طرح ان کے نفوس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ خواہ ذاکرین کی یہ جماعت اس وقت حضوری و مناجات کی صفت سے متصف ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس ضمن میں اس امر کا بھی بارہا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ جب کوئی شخص اسم "اللہ" کا ذکر پوری طرح شد اور ترتیل کے ساتھ کرتا ہے تو اس اسم مبارک کی صورت شعلہ نور کی مانند ان ملائکہ کے نفوس میں نقش ہو جاتی ہے جو کہ ذکر پر مؤکّل ہیں۔ جب یہ شخص بکثرت ذکر کرتا ہے تو اسم مبارک کی یہ صورت ان فرشتوں سے اوپر جو اور فرشتے ہیں ان کے نفوس میں نقش ہو جاتی ہے اس طرح یہ صورت ترقی کرتے کرتے حظیرہ القدسؒ کے مقام میں پہنچ جاتی ہے۔ وہاں سے یہ صورت تجلیؑ الٰہی میں جو شخص اکبر کے لیے بمنزلہ دل کے ہے جاگزیں ہو جاتی ہے اور یہ جو ہمارے رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ فرشتہ جب اسے لے کر اوپر چڑھتا ہے تو رحمٰن کا چہرہ اس سے شرما جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہیں۔

بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نور نے ذاکر کے گرد و پیش کا احاطہ کر لیا اور اس سے ذاکر کے ارد گرد کی ساری فضا بقعۂ نور بن گئی۔ باقی ان معاملات کو اللہ بہتر جانتا ہے۔

اسی طرح طاعات کی بھی بہت سی قسمیں ایسی ہیں کہ گو بسا اوقات وہ مناجات کی تمثیل نہیں ہوتیں لیکن یہ برکات کے نزول کا باعث ضرور بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر ان کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی طاعات قربانی دینا، خانہ کعبہ کا طواف کرنا، صفا مروہ کے درمیان سعی، کعبہ کی زیارت، روزہ، صدقہ، جہاد، مریض کی عیادت، جنازے کے ساتھ جانا اور اسی طرح کے اور اعمال خیر ہیں۔

"نسبتِ شمولِ رحمت" کے حصول کے ضمن میں ہوتا یہ ہے کہ جوں جوں انسان ان اعمال و اذکار کو کرتا ہے اس کا نفس بتدریج "شمولِ رحمت" کے رنگ کو قبول کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ رنگ اس کے لیئے مستقل ملکہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک یہ حدیث "وہ قرب مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے جو کسی بندے نے فرائض کو انجام دینے سے حاصل کیا ہو نیز میرا بندہ نوافل سے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں، جن سے وہ چلتا ہے"۔ اسی مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔

"شمولِ رحمت" کی یہ صفت چونکہ فرائض میں بیشتر پائی جاتی ہے۔ اس لئے حق سبحانہ کی محبت ملاء اعلیٰ کی وساطت سے فرائض کی اسی جانب زیادہ ملتفت رہتی ہے اور جب کوئی شخص کثرت سے نوافل ادا کرتا ہے تو حق سبحانہ کی طرف سے ایک نور ملائکہ کے نور کے توسط سے اس شخص کی روح میں داخل ہوتا ہے اور اس طرح اس شخص کی روح کو گھیر لیتا ہے کہ اس کی روح کا تمامتر قیام و انحصار اس نور پر ہو جاتا ہے یعنی حق سبحانہ کا یہ نور اس شخص کی روح کیلئے قیوم بن جاتا ہے۔ یہی نور سبب بنتا ہے اس شخص کی دعاؤں کے قبول ہونے کا، اور ذریعہ ہوتا ہے مکروہات اور بری چیزوں سے اس کے بچنے کا۔ اور یہ امر بارہا مشاہدہ میں آچکا ہے۔

نورِ الٰہی کی قیومیت کی اس حقیقت کو سب سے بہتر تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں ارشاد ہوا ہے۔

"**مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ**" یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ طاق میں چراغ رکھا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے" **مَثَلُ نُوْرِہٖ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ**" یعنی اللہ کا نور جب مومن کے

قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک طاق ہو اور اس میں چراغ رکھا ہوا ہو۔

نسبتِ طاعت کا تیسرا شعبہ ۔۔۔ "انوارِ اسمائے اِلٰہیہ"

اس ضمن میں جاننا چاہئیے کہ مرد مومن جب ان اسمائے اِلٰہیہ کا سچی نیت اور پوری توجہ سے ذکر کرتا ہے اور اس کا دل ان اسماء کو اپنے اندر محفوظ کرنے کی جدوجہد میں کلیتاً مصروف ہو جاتا ہے تو اس شخص کے باطن کی طرف اسمائے الٰہی کی ان مثالی صورتوں سے ایک دروازہ کھلتا ہے جس سے اس کے دل پر نور اور ٹھنڈک کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس کیفیت میں بڑی لذت محسوس کرتا ہے۔ اس شخص کو جب ان اسماء کے ذکر میں لذت ملتی ہے' تو وہ اور زیادہ تن دہی اور ہمت سے اس ذکر میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ جتنی زیادہ تن دہی سے وہ ان اسماء کا ذکر کرتا ہے' اسی حساب سے اس پر انوار کا فیضان بڑھتا جاتا ہے دراصل یہی وہ سبب ہے' جس کی بنا پر انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو دعائیں ماثور اور مقرر ہیں' دعا کرنے والا ان دعاؤں کے الفاظ اور صیغوں کا پورا پورا لحاظ رکھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ان اسماء اِلٰہی میں سے بعض کو اسم اعظم قرار دیا ہے اور بعض دعاؤں کی خاص خاص تاثیرات بیان فرمائیں' اسی طرح عبادت گزار جب نماز' ذکر اور دوسری طاعات میں مشغول ہوتا ہے اور کثرت سے نماز پڑھتا اور ذکر و طاعت کرتا ہے تو اس طاعت کا نور جو عالم مثال میں ایک مستقل صورت رکھتا ہے اس عبادت گزار سے اتصال پیدا کرلیتا ہے اور اس کے نفس کا احاطہ کر کے یہ نور اس کا مربی بن جاتا ہے۔

اس نسبت کو حاصل کرنے کا سب سے یقینی طریقہ یہ ہے کہ "اسم اللہ" کا ذکر کیا جائے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ذکر کے وقت دل ادھر ادھر کے پریشان کن خیالات سے خالی اور اس کا پیٹ بول و براز اور ریح سے فراغت پاچکا ہو۔ ذاکر کو چاہیے کہ ذکر کے وقت نئے سرے سے وضو و طہارت کرے اور ایک ہزار بار "اسم اللہ" کا

ذکر کرنے کے بعد درود پڑھے۔ ذکر کرتے وقت وہ لفظ "اللہ" کی تشدید پر زور دے۔ اس لفظ کو اس کے صحیح مخرج سے نکالے اور تھوڑی دیر کے بعد دوران ذکر وہ اس نور کا تصور کرتا جائے' جو فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس طریق سے چند ہزار بار "اسم اللہ" کا ذکر کرے گا تو یقیناً اس نور سے اس کا اِتّصال ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ حالت ہو گی کہ اگر یہ شخص تسبیح' تحمید' تہلیل' تکبیر' استغفار' اور لاحول پڑھنے کی طرف ذرا سی توجہ کرے گا تو وہ نور ان صفات کے رنگ میں جن کی طرف تسبیح و تحمید کے یہ کلمات اشارہ کرتے ہیں متشکل ہو کر اسے نظر آنے لگے گا اور اس کے آثار بھی "جہانِ انفس و آفاق" میں ظاہر ہوں گے۔

قصہ مختصر "حلاوت مناجات" "شمول رحمت" اور "انوار اسمائے الٰہی" یہ تینوں کے تینوں شعبے طاعات کی ذیل میں آجاتے ہیں اور ان سہ گانہ نسبتوں کا حصول ہی طاعات کا مقصد ہے۔ بعض طاعات ایسی ہوتی ہیں جن میں "حلاوت مناجات" زیادہ ہوتی ہے۔ بعض ایسی ہیں۔ جن میں "شمول رحمت" زیادہ اور بعض میں "انوار اسماء" کا غلبہ ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام اور ان کے بعد جو تابعین اور تبع تابعین تھے' ان کی زندگیوں میں یہی نسبت (نسبت طاعت) سب سے زیادہ غالب اور روشن تھی۔ اور ان کے اعمال و احوال' طاعت و مناجات اور ان کے عبادات و ریاضات اس نسبت کی عکاسی کرتی ہیں۔

۳۔ نسبتِ اویسیہ

ان نسبتوں میں سے جو ارباب تصوف کے یہاں معتبر ہیں "ایک نسبت اویسی" بھی ہے نسبتِ اویسیہ کو طہارت اور طاعت کی نسبتوں کے درمیان برزخ سمجھئے یعنی یہ ان دونوں سے ربط رکھتی ہے۔

"نسبتِ اویسیہ" کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں ایک نفس ناطقہ ہے جو

بمنزلہ ایک آئینے کے ہے۔ جس میں انسان کی روحانی کیفیات کا بھی عکس پڑتا ہے اور اس کے جسمانی احوال کا بھی ---- انسان کی ان روحانی کیفیات اور اس کے جسمانی احوال میں سے ہر کیفیت اور ہر حالت میں قدرت نے ایک استعداد رکھی ہے۔ چنانچہ اس کی وہ استعدادیں، جن کا تعلق جسمانی احوال سے ہے ---- اور وہ استعدادیں جو اس کی روحانی کیفیات سے متعلق ہیں، ان دونوں میں کلی تنافر اور اختلاف ہے۔ روحانی کیفیات میں سے ایک کیفیت یہ ہے کہ سالکینِ راہِ طریقت جب عالم ناسوت کی پستی سے نکل کر عالم ملکوت کی بلندی پر فائز ہوتے ہیں اور خسیس اور ناپاک اعتبارات کو کلیتہً ترک کر دیتے ہیں تو اس حالت میں وہ لطیف اور خوش گوار کیفیات میں اس طرح سرشار ہو جاتے ہیں گویا ان کے نفوس ان کیفیات میں ڈوب کر بالکل فنا ہو گئے۔ چنانچہ اس مقام میں ان سالکوں کی حالت اس مشک کی سی ہو جاتی ہے جس میں پوری قوت سے ہوا بھر دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے وہ اس طرح پھول گئی ہے کہ خواہ اسے پانی میں ڈال دیں وہ کسی طرح تہ آب نہیں ہوتی۔

ان نفوس کو جب یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس وقت ان کے آئینہ دل پر اوپر سے ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے جس کی برکت سے ان کو نیک روحوں سے خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور ان نیک روحوں کی کیفیات مثلاً انس و سرور، انشراح قلبی، عالم غیب کی طرف جذب و توجہ اور ان حقائق اشیاء کا انکشاف جو دوسروں کے لیے راز سربستہ کا حکم رکھتے ہیں۔ غرضیکہ ان نیک روحوں کے ساتھ اس طرح کی مناسبت سے یہ نفوس ان کیفیات سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں۔ اب یہ دوسرا سوال ہے کہ یہ مناسبت انبیاء کی نیک روحوں سے ہو، یا اولیائے امت کی روحوں سے یا فرشتوں سے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کو کسی خاص روح سے خصوصی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ سالک نے اس بزرگ کے فضائل سنے اور اسے

اس بزرگ سے غیر معمولی محبت ہو گئی۔ چنانچہ اس محبت کی وجہ سے سالک اور اس بزرگ کی روح کے درمیان ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے۔ یا یہ ہوتا ہے کہ یہ خاص روح جس سے کہ سالک کو مناسبت خصوصی پیدا ہو گئی' اس کے مرشد یا آباؤ اجداد میں کسی بزرگ کی روح تھی اور اس بزرگ کی روح میں ان لوگوں کے لیے جو اس سے منسوب ہیں' ارشاد وہدایت کی ہمت موجود ہے یا یوں ہوتا ہے کہ سالک اپنے فطری جذبے یا جبلی تقاضے سے جس کا سمجھنا نہایت مشکل ہے' کسی خاص روح سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ سالک اس بزرگ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس سے مستفید ہوتا ہے۔

عالمِ ارواح میں ارواح کے کئی طبقات ہیں

۱۔ ملاءِ اعلیٰ کا طبقہ

جب کسی سالک کو اس طبقے کے ساتھ "نسبت اویسی" حاصل ہو تو اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کے لوح دل پر ذات باری کی "صورت علمی" اس طرح منقش ہو جاتی ہے کہ کائنات کے انتظام کے سلسلے میں قدرت الٰہی کے یہ چار کمالات یعنی 'ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی ایک ہی بار اس "صورت علمی" کے ضمن میں اس کے دل پر ظاہر ہو جاتے ہیں' اور سالک کو قدرت الٰہی کے ان چار کمالات کا علم بغیر کسی ارادے اور قصد کے اور بدون غور وفکر سے کام لیے حاصل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظام عالم کے متعلق جو کلی تدبیریں اور عمومی فیصلے حظیرہ القدس میں طے ہوتے ہیں "نسبت اویسی" کی تاثیر سے یہ خود بخود سالک کے دل پر نقش ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ملاءِ سافل کا طبقہ۔

ملاء اعلیٰ کے بعد دوسرا طبقہ "ملاء سافل" کا ہے۔ جس شخص کو اس طبقے سے

"نسبت اویسی" حاصل ہو اس کی علامت یہ ہے کہ اسے خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں فرشتے نظر آتے ہیں۔ فرشتوں کی یہ جماعت جن کاموں پر مامور ہے۔ سالک انہیں ان کاموں کو کرتا اور اس ضمن میں ان کو آتے جاتے دیکھتا ہے اور انہیں جانتا اور پہچانتا بھی ہے۔

۳۔ ارواحِ مشائخ کا طبقہ

عالم ارواح کا تیسرا طبقہ مشائخ صوفیاء کی ارواح کا ہے۔ یہ ارواح خواہ مجموعی طور پر یکجا رہی ہوں' یا فرداً فرداً الگ الگ' جس شخص کو اس طبقے سے "نسبت اویسی" حاصل ہوتی ہے' ضروری ہے کہ اسے اس نسبت کی وجہ سے صوفیاء کی ان ارواح سے عشق و محبت پیدا ہو۔ اور وہ "فنافی الشیخ" ہو جائے۔ اس طاقت میں "فنافی الشیخ" کی یہ کیفیت اس کی زندگی کے ہر پہلو میں موثر ہوتی ہے۔ جیسے کہ درخت کی جڑوں کو پانی دیا جاتا ہے تو اس پانی کا اثر تازگی کی صورت میں درخت کی ہر شاخ' ہر پتی اور اس کے پھولوں اور پھل تک میں سرایت کر جاتا ہے' لیکن "فنافی الشیخ" کی اس نسبت سے ہر شخص میں ایک سی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے ایک شخص پر ایک حال وارد ہوتا ہے' دوسرے پر ایک دوسری کیفیت طاری ہوتی ہے۔

"فنافی الشیخ" کی نسبت کے سلسلے میں مشائخ کے عرسوں کا قیام ان کے مزارات کی پابندی سے زیارت کرنا۔ وہاں جا کر فاتحہ پڑھنا' ان کی ارواح کے نام سے صدقہ دینا۔ ان کے آثار و تبرکات' ان کی اولاد اور ان کے متعلقین کی تعظیم و تکریم میں پورا پورا اہتمام کرنا یہ سب امور داخل ہیں۔

اوپر کی ان نسبتوں میں سے جس شخص کو کوئی نسبت بھی حاصل ہو گی' وہ لازمی طور اس خاص نسبت کے آثار کی طرف طبعاً میلان رکھے گا۔ خواہ اس نے اس نسبت کے متعلق کسی سے کچھ سنا ہو یا نہ سنا ہو' یا کسی کو اس حال میں دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ اس شخص کا اس خاص نسبت کی طرف یہ میلان طبعی اور فطری ہوتا ہے۔

الغرض سالک جب ان نسبتوں میں سے کسی ایک نسبت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے تو عالم ارواح کے طبقوں میں سے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، جس طبقے کی وہ نسبت ہوتی ہے، اس طبقے کی ارواح کو وہ خواب میں دیکھتا ہے ان کے فیوض سے مستفید ہوتا ہے اور جب کبھی زندگی میں اسے خطرات اور مصائب پیش آتے ہیں تو عالم ارواح کے اس طبقے کی صورتیں اس کے روبرو ظاہر ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں اس کی جو بھی مشکل حل ہوتی ہے وہ اسے ارواح کی ان صورتوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مختصراً یہ اور اس طرح کی اور چیزیں جو اسے حاصل ہوتی ہیں وہ اسی نسبت کا ثمرہ ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ "نسبت اویسی" رکھنے والے کو اس خاص نسبت کی جو ارواح ہیں، ان سے اس طرح کا ربط پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ چیز اس شخص کی روح کے جوہر اصلی میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ بیداری اور حالت خواب میں اس کیفیت کو اپنے اندر پاتا ہے۔ لیکن جب یہ شخص سوتا ہے اس کے ظاہری حواس نفسانی خواہشات کے اثر و تصرف سے امن میں ہوتے ہیں اور وہ فی الجملہ طبیعت کے تقاضوں اور اس کے احکام سے رہائی حاصل کر لیتا ہے، تو اس حالت میں وہ تمام صورتیں جو اس کے دل کے اندر جمع ہوتی ہیں، خواب میں برملا طور پر اس کو اپنے سامنے نظر آتی ہیں اور وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سالک پر اس مقام میں عجیب عجیب چیزیں اور طرح طرح کے معاملات ظاہر ہوتے ہیں۔

الغرض ان "اویسی نسبتوں" میں سے ایک سالک کو کسی نسبت سے بھی تعلق ہو، مجموعی طور پر ان سب نسبتوں کا حاصل یہ ہے کہ سالک رؤیا میں طرح طرح کے واقعات دیکھتا اور اچھی اچھی خوش خبریاں سنتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کے متعلق جو خوابیں دیکھتے ہیں، ان خوابوں میں اس شخص کی عظمت و جلال کے جو شواہد انہیں نظر آتے ہیں اس وجہ سے یہ لوگ اس کے معتقد ہو جاتے ہیں، نیز اس شخص کو مصائب اور پریشانیوں میں غیب سے مدد ملتی ہے اور وہ اکثر اپنی معاش کے معاملات میں تائید غیبی کو

صروف عمل پاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ میں سے جس شخص نے سب سے پہلے جذب کا دروازہ کھولا' اور اس راہ پر وہ سب سے پہلے گامزن ہوئے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں یہی وجہ ہے کہ صوفیا کے تمام سلسلے ان کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت علیؓ کے بعد اولیائے کرام اور اصحاب طرق کا سلسلہ چلتا ہے ان میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے آگے بڑھ گئے وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات گرامی ہے۔ اسی بناء پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرّف کرتے ہیں۔

مزید براّں ملت مصطفوی میں بالعموم اور اس زمانے میں خاص طور پر ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت علیؓ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بڑھ کر کوئی اور بزرگ خرق عادات و کرامات میں مشہور نہیں ہے' اسلئے ان کی یہ شہرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ سالک جب عالم غیب کی توجہ اپنی طرف مبذول پائے تو وہ اس توجہ کو ان بزرگوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں متشکل دیکھے۔ الغرض ان امور کے پیش نظر آج اگر سالک کو کسی خاص روح سے مناسبت حاصل ہو جائے اور وہاں سے اسے فیض پہنچے تو اس واقعہ کی اصل حقیقت غالباً یہ ہوگی کہ اسے یہ فیض یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حاصل ہوا یا امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت سے' یا اسے حضرت غوث اعظمؒ کی نسبت سے ملا۔

۴۔ نسبتِ یادداشت ۔۔۔ "نسبتِ معرفت"

ان نسبتوں سے جن کا تعلق راہ جذب سے ہے' ایک "نسبت یادداشت" ہے۔ یہی نسبت معرفت ہے۔ نسبت یادداشت کی وضاحت سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ' جب ہم نے کسی چیز کا علم حاصل کیا تو گویا ہماری نظر اس صورت سے جو اس چیز کی

ہمارے ذہن میں تھی، گزر کر اس چیز کی حقیقت تک پہنچ گئی، اس کی ایک مثال تو یوں سمجھئے جیسا کہ عینک میں سے جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہماری نظر عینک میں سے گزر کر اصل چیز تک پہنچ جاتی ہے اس وقت عینک کا وجود ہمارے خیال سے بالکل غائب ہو جاتا ہے اور ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ ہماری نظر براہ راست اس چیز کو دیکھ رہی ہے۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک درخت نہر کے کنارے کھڑا ہے اور اس کا سایہ پانی میں پڑ رہا ہے۔ اب ایک شخص ہے جو اس درخت کے سایے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے دیکھنے میں اتنا محو ہو گیا ہے کہ پانی کا خیال اس کے ذہن سے بالکل جاتا رہا۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان کا ذہن "حق سبحانہ" کی تجلی کا علم کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ اس سلسلے میں یہ جاننا چاہیے کہ جب تجلیٔ حق صورتوں اور اشکال کے رنگ میں ظہور پیرا ہو اور اس وقت انسان کے حواس نفسانی تقاضوں سے امن میں ہوں، تو اس کی روح تجلی کی صورت کی طرف کلیتاً متوجہ ہو جاتی ہے اور یہ صورت اس کے لیے نصب العین کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان کی تجلی کی صورت کا مشاہدہ صرف خواب ہی میں ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی جاگ رہا ہے اور اس کے حواس نفس کی خواہشات سے آزاد ہیں تو اس بیداری میں بھی اس کو تجلی کی صورت نظر آجاتی ہے۔

تجلی اشکال اور صورتوں میں کیوں ظہور پذیر ہوتی ہے؟ اس ضمن میں معلوم ہونا چاہیے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک تخیل کی قوت ہے۔ وہ چیزیں جو ذاتی طور پر کوئی شکل نہیں رکھتیں، اس قوت کا کام یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو نظروں کے سامنے متشکل کر دیتی ہے چنانچہ قوت تخیل کی مدد سے انسان غضب اور غصے کو درندے کی شکل میں اور حرص و طمع کو کوے کی صورت میں متجسم کر لیتا ہے۔ دوسری قوت متوہمہ ہے۔ یہ قوت اشیاء کو شکل و رنگ سے مجرد

اور آزاد کر کے انہیں معانی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ قوت متوہمہ جسطرح کام کرتی ہے اسکی مثال یہ ہے۔

ہم نے ایک شخص کو جسے ہم ایک عرصہ پہلے دیکھ چکے تھے جونہی یاد کیا تو معاً ہمیں اشتیاق ہوا کہ اس شخص کی صورت چشم تصور کے سامنے لائیں۔ اب یوں ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس شخص کی ایک اجمالی اور کلی صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ صورت اتنی عام ہوتی ہے کہ نہ صرف اس شخص پر بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سے اشخاص پر بھی یہ صورت منطبق ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ صورت سمٹتی جاتی ہے اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ خاص اس شخص کی صورت جسے ہم نے یاد کیا تھا' ہمارے روبرو آموجود ہوتی ہے اس طرح بعض دفعہ ایک حافظ قرآن کو اجمالی طور پر یاد آتا ہے کہ فلاں آیت اس سورت میں ہے۔ اس ضمن میں پہلے تو اس کے ذہن میں اس آیت کی ایک اجمالی سی صورت نظر آتی ہے۔ یہ اجمالی صورت اس مخصوص آیت کے علاوہ اور بہت سی آیات پر بھی محمول ہو سکتی ہے۔ بعد ازاں بتدریج یہ صورت معین ہو جاتی ہے یہاں تک کہ آخر میں اس آیت کی خاص صورت ذہن میں آجاتی ہے۔ الغرض انسان کی قوت متخیلہ اگر مجرد معانی کو اشکال اور صورتوں کا لباس پہناتی ہے تو اس کی قوت متوہمہ متشکل اشیاء کو مجرد معانی میں بدل دیتی ہے۔

نسبت یادداشت (نسبت معرفت) کی وضاحت سے پہلے جن تمہیدی امور کا جاننا ضروری تھا' ان کا بیان ہو چکا ہے۔ اب ہم اس نسبت سے متعلق اصل مبحث پر آتے ہیں۔

جب سالک حضور الٰہی کی طرف پوری دل جمعی سے متوجہ ہوتا ہے تو اس حالت میں اس کے تمام قویٰ اور احساسات کلیتہً اس حقیقت کے تابع ہو جاتے ہیں' جو اس کے ذہن نے ادراک کی ہو۔ یہاں عارف کی قوت متوہمہ میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے۔ جو اجمالی طور پر اس "حقیقت بے نشانی" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس منزل میں اس

خیال کی کوئی مخصوص وضع، شکل یا صورت نہیں ہوتی بلکہ اس کی نوعیت ایک خاص معنوی ہیئت کی ہوتی ہے۔ یہی معنوی ہیت تجلی حق ہے، جو عارف کی قوت متوہمہ میں نازل ہوئی۔ اسی طرح جب یہ معنوی ہیئت قوت متوہمہ کے بجائے عارف کی قوت متخیلہ کو اپنی آماجگاہ بناتی ہے تو عارف کے خیال میں ایک صورت آموجود ہوتی ہے اور اسے عارف تجلیٔ حق سمجھتا ہے۔ البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم تجلیٔ وہمی ہوتی ہے اور دوسری قسم تجلیٔ تخیلی۔

عارف جب تجلیٔ وہمی کو پالیتا ہے تو پھر وہ اس کی باقاعدہ حفاظت کرتا ہے اور اس پر برابر نظر رکھتا ہے۔ تجلیٔ وہمی کی اس طرح حفاظت اور نگہداشت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عارف کے سامنے مرتبہ "بے نشانی" کی طرف ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے اور اس سے اس کے اندر بڑی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ مشائخ میں سے جس بزرگ نے سب سے پہلے یہ راہ اختیار کی۔ اس طریقے کو اپنا مسلک بنایا اس کی طرف اپنے اصحاب کو متوجہ کیا وہ بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین شاہ نقشبند ؒ ہیں وہ اس طریقے کو "دوام مراقبہ" بھی کہتے اور اسے انہوں نے "وجہ خاص" کا بھی نام دیا تھا اس نسبت کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ اس سے سالک کی ہمت میں تیزی اور حدت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس کی قوتِ عزم، شخصِ اکبر تک جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ کم ہمتوں کو ہمت بندھانا، امراض کو دور کرنا اور اس طرح کے اور تصرفات کرنے کی توفیق اسی "نسبت" کے طفیل حاصل ہوتی ہے اور کشف و اشراف کے ذریعے دوسروں کے دلوں کے احوال جاننا بھی اسی "نسبت" کا ثمرہ ہوتا ہے۔

۵۔ نسبتِ عشق

ان نسبتوں میں سے ایک "نسبت عشق" ہے اور اس نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ مومن جب حق سبحانہ کے متعلق یہ یقین کرلے کہ وہی ذات تمام اوصاف کمال کی حامل ہے۔ وہ حق سبحانہ کے ذکر کو اپنے لیے وجہ کمال سمجھے۔ وہ ہمیشہ اس کے

مبارک نام کا ذکر کرتا رہے اور حق سبحانہ کی نعمتوں اور بخششوں کو بھی پیش نظر رکھے' تو ذکر و فکر میں اس کا برابر اس طرح لگا رہنا اس کے دل میں بے قراری' اضطراب' شوق و قلق کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔

حق سبحانہ کا ذکر کرتے کرتے آخر کار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جب بھی مومن کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا مبارک نام آتا ہے تو اس پر اس طرح کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے گویا کہ ابھی روح اس کے بدن سے نکلی۔ چنانچہ جب کیفیت مومن کے نفس میں متمکن ہو جائے اور اس کا نفس اسی کیفیت کے رنگ مین یکسر رنگین ہو جائے تو اس کیفیت کو "نسبت عشق" کہتے ہیں۔

اب یوں ہوتا ہے کہ نفس کی اور کیفیات کی طرح مومن کے نسمہ میں "نسبت عشق" جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس میں "محبت ذاتی" بھی شامل ہوتی ہے۔ اور اس طرح دونوں کے ملنے سے وہاں ایک مرکب سا بن جاتا ہے۔ اس مرکب کا جسم نسمہ کی یہ "کیفیت عشق" ہوتی ہے اور اس مرکب کی روح "محبت ذاتی" بن جاتی ہے۔ لیکن جس شخص پر یہ احوال وکوائف وارد ہوتے ہیں' وہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کر پاتا۔

جس شخص کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے وہ تمام ماسوی اللہ پر پورا قابو پالیتا ہے اور ان سب چیزوں سے جو ماسوی اللہ کے حکم میں آتی ہیں' وہ کلیتہً اعراض بھی کر سکتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے "نسبت عشق" رکھنے والے عارف کی شان یہ ہوتی ہے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے' اس سے عجز و فروتنی سے پیش آتا ہے۔

۶۔ نسبتِ وجد

ان نسبتوں میں سے ایک "نسبت وجد" بھی ہے۔ "نسبت وجد" کی حقیقت سمجھنے سے پہلے نفس ناطقہ کے متعلق اتنا جاننا ضروری ہے کہ یہ اپنی فطرت میں کچھ اس طرح واقع ہوا ہے کہ جو حالات اس پر گزرتے ہیں' یہ ان حالات کا رنگ قبول کر لیتا

ہے۔ مثال کے طور پر محبت و نفرت' غصہ و رضامندی اور خوف و طمانیت کی کیفیات کو لیجئے۔ ان میں سے بعض کیفیات تو پاک اور ملکی ہیں اور بعض ناپاک اور حیوانی و بہیمی۔ جب ان میں سے کوئی کیفیت نفس ناطقہ پر مؤثر ہوتی ہے تو اس سے دوسری کیفیت جو اس کی ضد ہو' نفس ناطقہ سے از خود زائل ہو جاتی ہے۔

انسان کی یہ نفسی کیفیات مختلف حالات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان حالات کے اپنے اسباب ہوتے ہیں۔ جب سالک ان اسباب پر دسترس حاصل کرلے جو ملکی اور الٰہی حالات کو پیدا کرتے اور ان کو تقویت بخشتے ہیں تو لامحالہ اس سے اس کے نفس ناطقہ میں اسی قبیل کی کیفیات کی استعداد بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں اس کا نفس ناطقہ اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ ایک ذرا سی تحریک جسے عرف عام میں ہم کسی حساب میں نہیں لاتے' اس کے اندر غیر معمولی تاثیر پیدا کر دیتی ہے الغرض جس شخص کا نفس ناطقہ ملکی اور الٰہی مؤثرات قبول کرنے میں اس قدر حساس ہو' اس کیلئے ادنیٰ سا محرک بھی بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص کند ذہن اور جامد طبیعت کا ہو۔ اس کے نفس ناطقہ میں کسی ایسی کیفیت کا پیدا ہونا جو بے حد لطیف ہو' مشکل ہوتا ہے' اس شخص کو اپنے اندر اس قسم کی کیفیات پیدا کرنے کیلئے کسی سے عشق و محبت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے' لیکن اس کیلئے شرط یہ ہے کہ یہ عشق و محبت پاک ہو اور اس میں شہوانیت کا وصل نہ ہو۔ نفس ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کیلئے کند ذہن اور جامد طبیعت والے کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں نہایت پاکیزہ محفل میں پورے آداب کے ساتھ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا' نعت نبوی ﷺ اور عارفانہ کلام جو حسن و محبت و معرفت کے بیان پر مشتمل ہو سننا چاہیے۔ یہ سماع ایسے نفس کے جمود کو ختم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں شارع علیہ السلام نے وجد کے طالبوں کے لیے جو راہ تجویز فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ وحی اور وعظ سنے قرآن کی تلاوت کرے اور درد و سوز کے ساتھ سنے اور ساتھ ساتھ اس کے معانی پر غور کرے۔ دوران تلاوت میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی

بخشش ورحمت کا ذکر آئے وہاں وہ اس سے رحمت چاہے جہاں عذاب کا ذکر ہے اس کے عذاب سے پناہ مانگے اور جن آیات میں صفات الٰہی کا بیان ہے، ان کی تلاوت کرتے وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرے۔ اس کے علاوہ رقت پیدا کرنے والی احادیث اور حکایات کو پڑھے اور ان کے مطالب کو اپنے ذہن میں بار بار دہرائے۔

طبیعت کا جمود دور کرنے اور نفس ناطقہ کو متاثر کرنے کے صرف یہی طریقے نہیں ہیں جو اوپر بیان ہوئے بلکہ بعض دفعہ دریاؤں اور سمندروں کے جوش وخروش اور صحرا اور وادیوں کی بے کنار وسعت دیکھ کر یا دل میں کسی خیال کے آنے سے جو کسی کیفیت کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ انسان پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح بعض لطیف مضامین سننے سے بھی انسان کو وجد آجاتا ہے۔

اہل کمال کے نزدیک "نسبت وجد" کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن "نسبت وجد" کے ظاہر سے مراد وجد کی کیفیت کا صرف نسمہ میں جاگزیں ہونا ہے۔ اس کے باطن کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا لطیفہ مجردہ یعنی اس کی روح ایک معرفت کے بعد دوسری معرفت حاصل کرے، اور خدا تعالیٰ کے ایک اسم میں فنا ہونے کے بعد وہ اس کے دوسرے اسم میں فنا ہو۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے، ان میں سے اکثر سماع و وجد پر فریفتہ ہوتے ہیں، ان میں سے جو فنا وبقا کے مقام پر سرفراز ہوتے ہیں، اور "نسبت وجد" کی وجہ سے ان پر ایسے حقائق و معارف کا فیضان ہوتا ہے کہ زبان ان کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔

۷۔ نسبتِ توحید

ان نسبتوں میں ایک "نسبت توحید" بھی ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ نوع انسانی میں بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر وجود کا حکم زیادہ مؤثر ہوتا ہے یعنی ان کی طبیعت کا اقتضاء فطری طور پر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء کو اصل

واجب الوجود میں فنا ہوتے دیکھتے ہیں۔ وہ ہر چیز میں اسی وجود کو جاری و ساری دیکھتے ہیں اور وہ محسوس بھی کرتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی موجود ہے' اس کے موجود ہونے کا تمام تر انحصار اسی وجود حقیقی پر ہے۔

چنانچہ ایک ہی وجود حقیقی کے ہر چیز میں جاری و ساری ہونے کا یہ احساس لحظہ بہ لحظہ ان کے علم و شعور کے اس خرمن کو جو دوسرے مراتب وجود کے متعلق وہ اپنے ذہنوں میں جمع کرتے ہیں' جلاتا رہتا اور انہیں نسیاً منسیاً کرتا رہتا ہے۔ گو ضرورت کے وقت ان لوگوں کے ذہنوں میں دوسرے مراتب وجود کے احکام بھی "نقش" ہو جاتے ہیں لیکن ان کی طبیعت کا فطری تقاضا رہ رہ کر ابھرتا ہے اور وہ ان مراتب کے وجود کے علم کو بجلی کی طرح جلا دیتا ہے۔ شروع شروع میں تو یہ ہوتا ہے کہ سالک وجود حق کے ہر شے میں جاری اور ساری ہونے کا ادراک کرتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ ادراک ملکہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ سالک اس ملکہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی سوچ بچار سے یا عارفوں کی تقلید سے اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام اشیاء ایک وجود میں فنا پذیر ہیں اور یہ وجود سب اشیاء میں جاری و ساری بھی ہے۔ اب وہ بار بار اس نتیجے کو اپنے ذہن میں حاضر کرتا ہے یہاں تک کہ یہ چیز اس کے اندر ایک ملکہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ اس ملکہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے' گویا اس کا نقطۂ وجود بیدار نہیں ہوتا' غرضیکہ علم وجود کی یہ ساری کشش اور اس کی دھن میں سالک کی یہ تمام محویت اسے اس مرتبے تک نہ پہنچا سکی' جہاں اس علم کا ملکہ سالک کے اصل نفس اور اس کی جڑ میں جاگزیں ہو جاتا۔ اس سالک کی مثال اس تالاب کی سی ہے کہ وہ سیلاب کے پانی سے بھر گیا۔ لیکن اس میں زمین کے مسامات سے پانی نہیں پھوٹا۔ سالک کا اس طرح وجود کو ایک ماننا "توحید علمی" کہلاتا ہے اور علم وجود کی وہ شکل جب یہ علم سالک کے نسمہ سے پرے اس کے اندر جو نقطۂ وجود ہے اسے بیدار کر دیتا ہے اس طرح کہ اس سالک کی ہستی میں نقطۂ وجود کے

آثار و احوال بھی بیدار ہو جاتے ہیں اور سالک کی نظر سے تعینات کے سب پردے بھی اٹھ جاتے ہیں تو اسے "توحید حالی" کہتے ہیں بندے کے حال میں توحید کے اس اثر اور کیفیت کے جاگزیں ہونے کو "نسبتِ توحید" کہا جاتا ہے۔ تب سالک " **کل شئی هالک الا وجهه**" کا راز پالیتا ہے۔

باب ـ ٦

سات نفسوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے انسانی قالب میں عقل، قلب اور روح کی طرح ”نفس“ کو بھی ایک مستقل جوہر کے طور پر پیدا فرمایا ہے۔اس کی سات اقسام ہیں، ہر قسم کے نفس کے الگ خواص و صفات ہیں اور الگ اثرات، جو انسانی طبیعت و مزاج، عادات و خصائل اور اخلاق و اعمال سے معلوم ہوتے ہیں۔ مزید برآں نفس خود بھی مذکورہ بالا احوال و اخلاق کی تشکیل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کی روحانی ترقی کیلئے تمام تر ریاضت ”تزکیہ نفس“ کی صورت میں مطلوب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی نفس کی اصلاح و تطہیر کے عمل اور تزکیہ کی محنت کو ”جہاد اکبر“ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اب ہم اس کی مختلف اقسام اور ضروری تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) نفسِ امّارہ

یہ سات اقسامِ نفس میں سے پہلا نفس ہے۔ یہ سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیوی رغبتوں کی جانب کھینچ لے جانے والا ہے۔ فواحش و منکرات، لذات و شہوات اور جملہ بدکاریوں کی طرف بھی یہی نفس راغب کرتا ہے۔

اسی کی نسبت قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف ۱۲: ۵۳)

”بیشک نفس یقیناً برائی کا بڑی شدت سے حکم دینے والا ہے“۔

نفسِ امّارہ کی صفات

نفس امارہ کی صفات میں بخل، کنجوسی، حرص، طمع، لالچ، بدی، شہوات پرستی، بیوقوفی، بغض و کینہ، حسد و عناد، جہالت و غفلت، سستی و کاہلی، غصہ، غیض و غضب، غیبت و چغلی اور عیب جوئی وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صفت کا پایا جانا بھی نفس امّارہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں قرآن مجید سے بطور نمونہ نفس امّارہ کی فقط دو ایک

صفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ
(البقرہ' ۲: ۸۷)

"تو کیا (ہوا) جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس وہ احکام لیکر آیا جنہیں تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے تو تم نے تکبر اختیار کر لیا"

یہاں نفس امارہ کی نمایاں صفت "تکبر" بیان کی گئی ہے۔ اور انکار حق کا واقع ہونا بھی اسی نفس کے باعث بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے:

وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ
(البقرہ' ۲: ۱۳۰)

"اور دین ابراہیم سے وہی شخص روگردانی اختیار کرتا ہے جس کا نفس جہالت اور بیوقوفی کی صفت رکھتا ہو"

یہاں نفس کی جہالت و بیوقوفی کی صفت کو بڑا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ نفس کی شہوات پرستی کی کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ○ (آل عمران' ۳: ۱۴)

"لوگوں کیلئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کردی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں) یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے"۔

خواب میں نفس امارہ کی مثالی صورتیں

ہر نفس کی حالت، سالک اور طالب راہ حق کو بڑی آسانی سے بذریعہ خواب معلوم ہو سکتی ہے۔ ہر نفس اپنی اپنی حالت اور کیفیت کے غلبہ کے لحاظ سے کسی خاص مثالی شکل میں خواب میں دکھائی دیتا ہے، بہت سے لوگ اپنے نفس کو خواب میں متشکل دیکھتے ہیں مگر انہیں اس راز کا علم نہیں ہوتا کہ یہ دکھائی دینے والی شکل عالم مثال میں میرے ہی نفس کی حالت ہے اگر ان مثالی صورتوں کا علم ہو جائے تو انسان کو اپنے نفس کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ نفسِ امّارہ کی چند مثالی صورتوں میں سے خنزیر، کتا، ہاتھی، سانپ، گدھا، بچھو، چوہا، پسو، جوں اور چڑیا وغیرہ ہیں خواب میں یہ صورتیں نفس امارہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر سالک خواب میں بیت الخلاء، اصطبل، شراب، بھنگ، افیون، یا اس کے مثل کوئی اور نشہ آور چیز، گندا پانی، کیچڑ، ٹھہرا ہوا پانی مثلاً تالاب اور جوہڑ یا سیاہ یا مٹیالے رنگ کا چلتا ہوا پانی وغیرہ دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ اس کے نفس امارہ کی خاصیتیں ہیں جو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں متشکل ہو کر نظر آرہی ہیں اور یہ میری روحانی حالت اور نفس کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ بالا مثالی صورتوں کی تعبیرات:۔

خنزیر کا دیکھنا کسی صفت حرام کی طرف اشارہ ہے جو دیکھنے والے کے نفس امارہ میں خاص طور پر پائی جاتی ہوگی، اسی طرح کتے کا دیکھنا غصہ اور غیض و غضب کی خاصیت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے نفس میں اس کا غلبہ ہے، ہاتھی کا دیکھنا غرور و تکبر کی طرف اشارہ ہے۔ سانپ منافقت کی علامت ہے، بچھو عذاب کی علامت ہے، چڑیا، جوں اور پسو، وغیرہ مکروہات کے ارتکاب اور ناپسندیدہ عادات کی علامت ہیں۔ بیت الخلاء دنیا کی محبت میں غرق ہونے کی علامت ہے اگر خواب میں شراب پیے یا چکھے تو یہ حرام کاری کی علامت ہے اگر محض دیکھے تو خیالات کے حرام کی طرف مائل ہونے کا اشارہ ہے۔ شراب خانہ خیالات فاسدہ کی علامت ہے، الغرض سالک اگر اس طرح کی

کسی چیز کو خواب میں دیکھے تو جان لے کہ اس کا نفس درجۂ امّارہ میں ہے اور اس میں فلاں صفت یا فلاں خاصیت کا غلبہ ہے تاکہ اس کے ازالہ کی فکر کرے اور مطلوبہ رہنمائی حاصل کرے۔

نفسِ امّارہ رکھنے والے شخص کا دل، تصوف کی اصطلاح میں "قلب بہیمی" (حیوانی دل) کہلاتا ہے۔ اس شخص کی طبیعت اور مزاج میں بہیمی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایسے دل کو شیطانی وسوسے اور منفی خیال اپنی سواری بنالیتے ہیں۔ بعض اوقات اس کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ بیرونی اسباب اور اثرات کے بغیر ہی دل و دماغ میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ کبھی ان وسوسوں کا زور اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ شخص انہیں وسوسوں کی بجائے کھلے خیالات کے طور پر ذہن میں تسلیم کرنے لگتا ہے، ان پر اس کی رائے قائم ہوجاتی ہے، اور بالآخر یہ وسوسے اعتقادات میں بھی شکوک پیدا کرنے لگتے ہیں اور وہ شخص اس راہ پر بڑھتا بڑھتا ذہنی اور طبعی طور پر ان میں اتنا منہمک ہوجاتا ہے کہ اس کی طبیعت ہی سراپا نفس امارہ بن جاتی ہے اور عدالت واعتدال سے خالی ہو جاتی ہے۔

نفسِ امارہ سے خلاصی پانے کیلئے مؤثر ذکر (پہلا وظیفہ)

نفس امارہ سے خلاصی پانے کیلئے موثر ذکر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہے اس کا عدد پانچ (۵) لاکھ ہے۔ اس ذکر کو مطابق اجازت پوری پابندی کے ساتھ پانچ لاکھ مرتبہ مکمل کیا جائے، اس کے ساتھ جملہ فرائض وواجبات کی پابندی احکام شریعت کی مکمل پاسداری اور ممکنہ نفلی عبادات، توبہ واستغفار اور صدقہ وخیرات کے معمولات جاری رکھے جائیں

ذکر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" (نفی اثبات) کے دوران نفس کو مختلف قسم کی بری خصلتوں سے پاک کرنے کیلئے درج ذیل توجہات پر محنت کی جائے۔

(۱) پہلے ایک لاکھ مرتبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کے ذکر کے دوران ذہنی اور قلبی توجہ "لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کے مفہوم اور تصور پر مرکوز کی جائے۔ ذاکر

دوران ذکر جب اللہ کے سوا ہر "الٰہ" کی نفی کر رہا ہو تو ذہن میں "الٰہ" کے مفہوم اور مراد کو "معبود" کے طور پر رکھے اور ہر بار اپنے دل و دماغ سے "اللہ" کے سوا ہر "معبود" کی نفی کرے۔ رہ گیا طریقۂ ذکر ' تو ہم نے اسے مفصل طور پر "تصوف کے ابتدائی تقاضے" کے باب میں بیان کردیا ہے۔ اس مقام کا غور سے دوبارہ مطالعہ کریں۔

(۲) دوسرے لاکھ کے دوران ہر بار " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ" کا ذکر کرتے ہوئے ذہنی اور قلبی توجہ "لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ" کے مفہوم اور تصور پر مرکوز کی جائے۔ ذاکر دوران ذکر ہر بار اللہ کے سوا ہر محبوب کی نفی اپنے دل و دماغ سے کرے اور یوں اللہ کے سوا ہر محبوب کی نفی رفتہ رفتہ اس کے دل سے ہر غیر کی محبت کی بھی نفی کردے گی۔

(۳) تیسرے لاکھ کے دوران ذہنی اور قلبی توجہ "لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ" کے تصور پر رکھے اور اللہ کے سوا اپنے دل و دماغ سے ہر مقصود کی نفی کرتا رہے۔ یوں غیر از خدا ہر مقصود کی نفی سے غیر کا ہر قصد اور نیت ٹوٹتی چلی جائے گی۔

(۴) اسی طرح چوتھے لاکھ کے دوران ذہنی اور قلبی توجہ "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ" کے تصور پر رکھے اور اللہ کے سوا اپنے دل و دماغ سے ہر موجود کی نفی کرتا رہے یوں غیر از خدا ہر "موجود" کی نفی سے وہ شے' جس کا شمار غیر اللہ میں ہوتا ہے' اس کے دل و دماغ کی تختی سے محو ہونے لگے گی۔

(۵) پانچویں لاکھ کے دوران ذہنی اور قلبی توجہ "لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ" کے تصور پر رکھے' اور اللہ کے سوا اپنے دل و دماغ سے ہر مطلوب کی نفی کرتا رہے۔ یوں غیر از خدا ہر "مطلوب" کی نفی سے اس کے دل و دماغ غیر کی ہر طلب اور خواہش سے پاک ہوتے جائیں گے۔

اس طرح جوہر توحید خوب چمکے گا اور اس کے انوار سے نفس کا تزکیہ ہونے لگے گا۔ ان توجہات کی پختگی اور ان انوار و برکات کے حصول کیلئے ساتھ ساتھ ان کلمات کا ذکر بھی کیا جائے اور ان کی تسبیحات بھی کی جائیں اس طرح نفس دائرہ امارہ سے خلاصی پاکر اگلے دائرہ

کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

عددِ ذکر بصورت خلوت

اگر نفس امارہ اور اسکی صفات سے خلاصی پانے کیلئے سالک عام معمولات زندگی کو چھوڑ کر "خلوت" اختیار کرنا چاہے تو خلوت کی صورت میں اس کا عدد فقط ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) ہے۔ اور ذکر کا اسم فقط **"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"** رہے گا

نفس امّارہ کا جدول

اقسام نفس کے اسماء وصفات کے حوالے سے صوفیائے کرام نے ان کے مقامات کا جدول بھی بنایا ہے۔ اس میں سے چند ضروری امور درج ذیل ہیں۔ یہ صرف خواص کے استفادہ کیلئے ہیں۔ عوام ان دقائق میں مغزماری نہ کریں۔

اس کی سیر .... الی اللہ ہے

اس کا عالم .... شہادت (ناسوت) ہے

اس کا محل .... سینہ ہے

اس کا حال .... مَیل (رغبت) ہے

اس کا وارد .... ظاہر شریعت ہے

اور اس کا نور .... نیلے رنگ کا ہے

(۲) نفسِ لوّامہ

یہ دوسرا نفس ہے، انسان جب نفس "امّارہ" کے دائرہ سے نکل آتا ہے تو "لوّامہ" کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس مقام پر دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جو باطنی طور پر ہدایت کا باعث بنتا ہے جب نفس لوامہ کا حامل انسان کسی گناہ یا زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کا نفس اسے فوری طور پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے، اسی وجہ سے اسے لوّامہ (سخت ملامت کرنے والا) کہتے ہیں۔ یہ اچھا نفس ہے، یہ نہ صرف نیکی اور بدی میں

تمیز کرتا ہے بلکہ اپنے داخلی نور کے باعث بدی سے نفرت بھی پیدا کرتا ہے۔

باری تعالٰی نے قرآن مجید میں اس نفس کی قسم کھائی ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ

(القیامہ' ۷۵:۱-۲)

"میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں اور میں نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں"

یہ نفس صالحین کو نصیب ہوتا ہے' علمائے عاملین بھی اسی نفس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ درج ذیل آیت کریم میں بھی اسی نفس کی طرف اشارہ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى○

(النازعات' ۷۹: ۴۰-۴۱)

"پس جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے خائف ہوا اور اپنے نفس کو بری خواہش سے روکے رکھا تو اسکا مسکن یقیناً جنت ہی ہوگا"۔

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے واقعہ میں یہ فرمان الٰہی توجہ طلب ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ○

(یوسف ۱۲:۵۳)

"اور میں اپنے نفس کی صفائی نہیں دیتا بیشک نفس تو برائیوں کی طرف ہی کھینچ کر لے جانے والا ہوتا ہے سوائے اس (نفس) کے جس پر میرے رب نے رحم فرمادیا (سو وہ برائیوں سے بچ جاتا)"

نفس کا برائیوں سے بچ جانا دراصل اسکا "اماریت" سے خلاصی پا جانا ہے۔

نفس لوامہ کی صفات

نفس لوامہ کی صفات میں حلال کی رغبت' لوگوں کے لئے نفع بخشی' دوسروں

کا بوجھ اٹھانا، لغویات سے گریز اور پسندیدہ اخلاق شامل ہیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس درجہ میں بلند ہونے کے باوجود نفس لوامہ میں بعض رذائل اور ناپسندیدہ صفات موجود رہتی ہیں اس لئے اس کا تزکیہ بھی نہایت ضروری ہے چنانچہ اس کی صفات میں مکر و فریب، ہوا و ہوس، خود بینی و خود پسندی، تکبر، اعتراض، قہر و جبر اور خواہشات نفسانی بھی شامل ہیں۔

خواب میں نفس لوامہ کی مثالی صورتیں

خواب میں نفس لوامہ کی چند مثالی شکلوں میں بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، مچھلی، کبوتر، بطخ، مرغی، درخت، کھجور، پکا ہوا کھانا، پھل اور میوے، سلا ہوا کپڑا، بغیر زین کے گھوڑا، بجھا ہوا چراغ، لالٹین یا شمع، پکی ہوئی روٹی، دکانیں، عمارتیں یا محلات، شہد، گنا یا شربت وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بطور خاص دکھائی دے تو اسکی دلالت "نفس لوامہ" پر ہوگی۔

مذکورہ بالا مثالی صورتوں کی تعبیرات

بھیڑ بکری حلال جانور ہیں ان کا اشارہ حلال کی رغبت کی طرف ہے۔ گائے کی صفت کام کرنا ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے، اونٹ کی صفت بوجھ اٹھانا اور تکلیف برداشت کرنا ہے، دوسروں کیلئے یہ عمل حالت ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ مچھلی، بطخ، مرغی، کبوتر اور دیگر پاکیزہ جانور بھی حلال کی رغبت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کھجور اور شہد پسندیدہ اخلاق پر دلالت کرتے ہیں پکے ہوئے کھانے خواہش نفس کا اشارہ کرتے ہیں۔ پھل اور میوے، بے معنی اور لغو کلام سے نجات حاصل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مکانات اور عمارات نفس کی عیش طلبی پر دلالت کرتے ہیں، الغرض مختلف اشیاء، جانوروں اور پرندوں کے اندر جو ذاتی خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ نفس کی حالت اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ نفس کے اچھے اور برے احوال کا علم ہوسکے اور وہ اس علم کے مطابق اپنی اصلاح اور ترقی کی طرف اگلا قدم اٹھاسکے۔

نفس لوامہ رکھنے والا شخص کا دل تصوف کی اصطلاح میں "قلب انسانی" کہلاتا ہے، اس نفس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی سی ہے۔ یہ بنیادی طور پر پلید تو نہیں مگر سرکش ہے۔ اسے لگام کے ذریعے قابو میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی گھوڑے کو لگام دی ہو تو سوار کی مرضی جدھر لے جائے اگر لگام نہ ہو تو گھوڑے کی مرضی جدھر اٹھا کر پھینک دے۔ "قلب انسانی" کیسے وجود میں آتا ہے؟ اسے آسانی سے یوں سمجھ لیجئے کہ جس شخص میں ملکوتی قوتیں اور بہیمی قوتیں یعنی فرشتوں جیسی پاکیزہ اور نورانی خوبیاں اور صلاحیتیں اور حیوانوں جیسی گھٹیا خوبیاں اور رغبتیں دونوں باہم مل جائیں اور ان میں ایسی ہم آہنگی پیدا ہو جائے کہ اس شخص کی طبیعت میں اعتدال آجائے اس کی کسی کیلئے محبت اور چاہت یا اسکی رضامندی اور ناراضگی یہ سب حالتیں حق اور صداقت پر مبنی ہو جاتی ہیں، نہ تو اس کا باطن مکمل طور پر نور میں بدل جاتا ہے اور نہ خالص ظلمات اور تاریکیاں برقرار رہتی ہیں بلکہ وہ دونوں کی درمیانی منزل پر قائم ہو جاتا ہے، وہ دوزخ سے ڈرتا ہے اور جنت کی تمنا کرتا ہے اور اپنے اعمال اسی خوف وطلب کے مطابق ڈھالتا ہے، ایسے شخص کا دل قلب انسانی اور نفس، نفس لوامہ کہلاتا ہے۔

نفسِ لوامہ سے آگے ترقی کرنے کیلئے مؤثر ذکر (دوسرا وظیفہ)

نفس لوامہ سے خلاصی پاکر آگے ترقی کرنے کیلئے موثر ذکر کا اسم "اللہ" (اسم ذات) ہے "یااللہ" کے طور پر ذکر کرنا زیادہ مفید ہے اس کا عدد بھی پانچ لاکھ ہے۔ اسے بھی مذکورہ بالا طریق سے مکمل کیا جائے اور دیگر شرائط اور یا شرعی پابندیوں کا لحاظ برقرار رہے تو سالک اس نفس سے خلاصی پاکر اگلے دائرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس ذکر کے دوران دو توجہات کا ذکر خاصا مفید ثابت ہو گا۔

(۱) یانور یااللہ (۲) یاھادی یااللہ

اسم ذات "اللہ" اصل اسم ہے جس کا ورد کرنا مقصود ہے اس میں توجہ کے

فروغ کیلئے مذکورہ بالا اسماء کی تسبیحات بھی کی جائیں۔ ان کے انوار حصول مراد میں نہایت مفید ہونگے

عددِ ذکر بصورتِ خلوت

اگر سالک اس ریاضت ذکر کیلئے "خلوت" اختیار کرنا چاہے تو بصورت خلوت ذکر "اللہ" کا مطلوبہ عدد فقط ساٹھ ہزار (۶۰،۰۰۰) ہوگا اور اسی پر اکتفا کرنا کافی ہے۔

نفسِ لوامہ کا جدول

اس کی سیر ------ للہ ہے

اس کا عالم ------ برزخ ہے

اس کا محل ------ دل ہے

اس کا حال ------ محبت ہے

اس کا وارد ------ باطن شریعت ہے

اور اس کا نور ------ زرد رنگ کا ہے

(۳) نفسِ ملہمہ

یہ تیسرا نفس ہے، جب انسان نفس لوامہ کے دائرہ سے نکل آتا ہے تو "ملہمہ" کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ یہ دل میں نیکی اور اطاعت کے خیالات ڈالتا یعنی الہام کرتا ہے اسی نیک الہام کے عمل کے باعث اسے ملہمہ کہتے ہیں۔ جس طرح نفس لوامہ اپنے داخلی نور کے باعث بدی سے نفرت پیدا کرتا ہے اسی طرح نفس ملہمہ اپنے داخلی نور کے فیض سے دل اور طبیعت میں نیکی اور تقوی کی رغبت پیدا کرتا ہے اور نیک خیالات کو اچھے خوابوں کی صورت میں ظاہر بھی کرتا ہے، اس سے نیکی کی طرف طبیعت کے میلان اور شوق میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

طبیعت نیکی سے اسطرح مانوس ہو جاتی ہے کہ نیکی کے ترک کرنے سے اسمیں مایوسی اور غم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسکا ازالہ پھر اعمال صالحہ کے ذریعے ہوتا ہے۔

نفسِ ملہمہ کی صفات

نفس ملہمہ کی نمایاں صفات میں سے قناعت، سخاوت، علم، تواضع وانکساری، توبہ، صبر، تحمل و برداشت اور خلوص ہیں گویا اس مقام پر نفس کی صفات میں فضائلِ اخلاق اور خصائلِ حسنہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔

خواب میں نفسِ ملہمہ کی چند مثالی صورتیں

خواب میں کسی کافر، ملحد، بے دین، فاسق و فاجر، کسی بد عقیدہ شخص کو دیکھنا نفس ملہمہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح داڑھی منڈا، بے ریش، لنگڑا، بہرا، گونگا، مست و مدہوش، ہیجڑا، غلام یا آزاد شدہ غلام کو دیکھنا بھی نفس ملہمہ کی مثالی شکلوں میں سے ہے۔ سپاہی، جاسوس، جواباز، پہلوان، مسخرہ، چوکیدار، یا عورتوں کا دیکھنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ قصہ گو، قصاب، دلال، چور، بہانہ ساز، بھینگا، اندھا، مریضِ دق یا بندر وغیرہ یہ سب شکلیں بھی نفس ملہمہ کے دائرہ پر دلالت کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا مثالی صورتوں کی تعبیرات

خواب میں کافر، ملحد اور بے دین کو دیکھنا دین میں نقصان کی علامت ہے۔ کسی بد عقیدہ کو دیکھنا عقیدہ و مذہب میں خرابی کی دلیل ہے۔ داڑھی منڈا شخص دیکھنا شریعت پر عمل میں نقصان اور کمزوری کی علامت ہے لنگڑے کا دیکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والا لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے مگر خود اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتا، بے ریش وغیرہ دیکھنا اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کرنے کا اشارہ ہے۔ اندھے کا دیکھنا حق اور سچ کو چھپانے اور بہرے کا دیکھنا حق اور شریعت کی بات نہ سننے اور اس پر کان نہ دھرنے کی طرف اشارہ ہے۔ گونگے کا دیکھنا سچی بات نہ کہنے پر دلالت کرتا ہے، غلام کا دیکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جس کی بات بھی کرتا ہے عیب اور برائی کی کرتا ہے یعنی وہ لوگوں کی اچھائی کو بیان نہیں کرتا، جاسوس کا دیکھنا تارک سنت ہونے کی علامت ہے، مست و مدہوش کا دیکھنا عشق مجازی پر دلالت کرتا ہے، جواباز، پہلوان، مسخرہ، اور قصہ گو کو دیکھنا ترک عبادت اور حرام کاری کی طرف اشارہ ہے، چور کا دیکھنا عبادت میں ریاکاری کی علامت ہے، دلال کا دیکھنا دروغ گوئی اور بری نظر کی علامت ہے۔ قصاب کا دیکھنا دل کی سیاہی پر دلالت کرتا ہے۔ اندھے اور بھینگے کا دیکھنا خود اس کی اپنی گمراہی کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اہم وضاحت طلب نکتہ

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہر نفس کے حامل کے گناہ اور خرابیاں اس کے مقام و مرتبہ کی مناسبت سے ہوتی ہیں بزرگان دین نے فرمایا ہے **"حسنات الابرار سیئات المقربین"** (نیک لوگوں کی نیکیاں مقرب بندوں کے گناہ ہوتے ہیں) یعنی وہ لوگ جنہیں بارگاہِ الٰہی میں درجہ مقربیت سے نوازا گیا ہو اگر وہ بھی ان ہی نیکیوں اور اعمال پر اکتفاء اور قناعت کر بیٹھیں جو عام نیک لوگوں کی نیکیاں ہوتی ہیں جنہیں ان

سے نچلے درجے کے لوگ انجام دیا کرتے ہیں تو یہ نیکیاں بھی ان کے مقام و مرتبہ کے تقاضے کے لحاظ سے ان کے حق میں گناہ تصور ہوں گی

اسی طرح اگر ان کے نفس میں جو کہ "نفس لوامہ" سے بھی ایک درجہ بلند ہے، معمولی رذائل بھی رہ جائیں گے تو وہ عالم مثال میں بڑے گناہوں اور بڑی خرابیوں کی شکل میں ظاہر ہونگے جیسے چھوٹا ذرہ، آتشی شیشے میں بڑا ہو کر دکھائی دیتا ہے یا ایک معمولی سا سیاہ دھبہ سفید اور صاف چادر پر زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، جبکہ وہی دھبہ سیاہ چادر پر دکھائی ہی نہیں دیتا۔ مذکورہ بالا بیان میں نفس ملہمہ کی صفات اور خواب میں اس کی مثالی صورتوں کے درمیان جو مناسبت ہے اس کو ان مثالوں کے ذریعہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جوں جوں نفس اپنے تزکیہ کے ذریعہ پاک وصاف ہوتا جاتا ہے اس میں رذائل کا معمولی سا ذرہ اور برائی کا خفیف سا نکتہ بھی زیادہ واضح ہو کر کھٹکتا ہے اس لئے اہل حق کا رتبہ جتنا بڑھتا چلا جاتا ہے وہ اسی قدر صفائے باطن پر مزید توجہ کرتے ہیں۔

نفسِ ملہمہ سے آگے ترقی کرنے کیلئے مؤثر ذکر (تیسرا وظیفہ)

نفس ملہمہ سے خلاصی پا کر اگلے دائرے میں داخل ہونے کیلئے مؤثر ذکر کا اسم "ھو" ہے اس کا عدد بھی پانچ (۵) لاکھ ہے۔ اسے متذکرہ طریقہ سے مطابق اجازت مکمل کیا جائے۔ اس دوران دیگر شرائط کی پاسداری کے ساتھ بطور خاص دنیاوی تعلقات میں محو ہونے سے ممکنہ حد تک کمی کی جائے اور عبادات و ریاضت کی کثرت کی جائے۔ اس کی تفصیلات وقت آنے پر اپنے مرشد یا مربی سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

اس ورد کو "**یَا ھُوَ اَنْتَ ھُوَ**" کی توجہ سے پڑھنا زیادہ مفید ہے۔ بہتر ہے تسبیحات انہی کلمات کے ساتھ مکمل کی جائیں۔

اس کے علاوہ "**یَا مَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ**" کی تسبیحات بھی ساتھ ساتھ کی جائیں اس سے مزید فروغ نصیب ہو گا۔

عدد ذکر بصورت خلوت

اگر سالک اس ریاضت ذکر کیلئے "خلوت" اختیار کرے تو بصورت خلوت مطلوبہ عدد ذکر فقط پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) ہے۔

نفسِ ملہمہ کا جدول

اس کی سیر ------ علی اللہ ہے

اس کا عالم ------ ارواح ہے

اس کا محل ------ روح ہے

اس کا حال ------ عشق ہے

اس کا وارد ------ سر شریعت ہے

اور اس کا نور ------ سرخ رنگ کا ہے

(۴) نفسِ مطمئنہ

یہ چوتھا نفس ہے جو بری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے نیک اور پاکیزہ خصائل سے متصف ہو جاتا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے اپنا ربط و تعلق قائم کر کے حالت اطمینان پر فائز ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسے "نفس مطمئنہ" کہا گیا ہے قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے اس نفس سے یوں خطاب فرمایا ہے:۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُO ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِO (الفجر ۸۹: ۲۷، ۲۸)

"اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ"

نفسِ مطمئنہ مقام ولایت ہے

"نفس مطمئنہ" اولیاء اللہ کا نفس ہے۔ اور یہی ولایت صغریٰ کا مقام ہے۔ اس کے تحقق سے "فنافی الرسول" کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت اس طرح ہے کہ جب کسی شخص میں عطاء الٰہی سے خلقی و وھبی طور پر یا ریاضات و مجاہدات سے کسبی طور پر ملکوتی قوت کا زور ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں بہیمی قوت بالکل زیر ہو جاتی ہے اس طرح کہ اس کا کہیں وجود بھی نہ تھا تب اس شخص کا قلب "روح" کے درجہ میں چلا جاتا ہے اور نفس "قلب" کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اور قلب کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی سے اطمینان پاجاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۱۳: ۲۸)

"آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلب اطمینان پاتے ہیں"

نفس جب "قلب" کے مقام پر آتا ہے تو قلب پہلے ہی ذاکر یعنی یادالٰہی میں شاغل ہوتا ہے کیونکہ وہ "امارہ" کے دائرہ سے نکل کر "لوامہ" اور "ملہمہ" کے مقامات سے بھی ترقی کر چکا ہے۔ سو جوں جوں قلب یاد الٰہی سے سیراب ہوتا ہے اس کا تمام تر اطمینان "نفس" کی مستقل حالت بنتا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفس بھی "قلب" میں بدل

کر "نفس مطمئنہ" ہو جاتا ہے۔ اور جہاں تک قلب کا تعلق ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسے "مقام روح" مل جاتا ہے۔

قلب کے روح بن جانے سے اسے تزکیۂ نفس کیلئے غیر معمولی مجاہدات و ریاضات کی حاجت نہیں رہتی وہ معمول کی طاعات و عبادات سے بھی اپنا تزکیہ و مقام بحال اور برقرار رکھ سکتا ہے البتہ وہ اگلے درجات کے لئے ریاضات جاری رکھتا ہے۔

روح چونکہ "امر الٰہی میں سے ہے" (قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) اس لئے قلب' روح بن کر ہمہ وقت امر الٰہی کے تابع اور اس سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔ اب اسے "قبض" کے بغیر ہی "بسط" کی کیفیت میسر آجاتی ہے وہ قلق و اضطراب کے بغیر ہی الفت و محبت کے چشموں سے سیراب ہوتا رہتا ہے اور بے ہوش ہوئے بغیر حالت "وجد" سے بہرہ یاب ہوتا ہے' جب اس کا قلب ترقی کر کے "مقام روح" پر آجاتا ہے تو اس کی "روح" ترقی کر کے مقام "سر" پر فائز ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نفس قلب بن جاتا ہے' قلب' روح بن جاتا ہے اور روح سر میں بدل جاتی ہے۔ اس کے باعث اس پر عالم غیب کے علوم و معارف اور اسرار کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسے مروج اور متداول طریقوں سے ہٹ کر علوم و معارف' اسرار و رموز اور حقائق و لطائف کا ادراک اور حصول ہونے لگتا ہے۔ یہ کتابوں کی مدد سے نہ ظاہری فہم و فراست اور تعلق و تدبر کے طریقہ سے نہ کشف کے طور پر اور نہ ہاتف غیبی کی آواز سے بلکہ اس کی روح از خود مقام سر سے اسرار و معارف کو اس کے دل میں (جو روح کے درجہ پر فائز ہو چکا ہے) منتقل کرتی رہتی ہے یہ انوار و اسرار کا ایک غیر مرئی اور غیر محسوس دروازہ ہے جس کے کھل جانے سے وہ شخص "علوم لدنیہ" کا حامل ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں وہ بھی عین "صراط مستقیم" کے مطابق ہوتے ہیں' اعمال خود بخود صالح ہوتے ہیں' کلمات مبارک ہوتے ہیں اور دعوات مستجاب ہوتی ہیں۔ یہی ولایت صغریٰ ہے۔ صرف یہاں خوارق کی صورت میں

کرامات کا ظہور نہیں ہوتا مگر وہ شخص صاحب کرامت ہوتا ہے۔

ولایتِ صغریٰ سے آگے دو راستوں کا انفتاح

اس مقام ولایت پر فائز ہونے والا سالک جب ترقی کرتا ہے تو اس پر آگے دو راستے کھل جاتے ہیں' کسی کو ایک راستے سے فیض ملتا ہے کسی کو دوسرے راستے سے۔ اور بعض میں دونوں راستوں کے فیوضات بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

(۱) ولایتِ کبریٰ کی راہ

(۲) مفہمیت (وراثت نبوت) کی راہ

ولایتِ کبریٰ کی راہ بالآخر قطبیت اور غوثیت کے مدارج کی طرف جاتی ہے اور مفہمیت کی راہ جسے وراثت نبوت بھی کہتے ہیں یہ تجدید اور احیاء کی راہ ہے اس مقام کے حاملین "مجدد" کہلاتے ہیں یہ حضور ﷺ کے نائب و وارث ہوتے ہیں۔

نفس مطمئنہ پر فائز شخص کا میلان ولایت صغریٰ کی حالت میں ہی مذکورہ بالا دو راستوں میں سے کسی ایک راستہ کی طرف نمایاں ہو جاتا ہے۔ جس کو ولایت کبریٰ کی راہ سے فیض ملتا ہے اس کے روحانی فروغ سے کرامات و خوارق کا صدور ہونے لگتا ہے اور جسے وراثت نبوت (مفہمیت) کی راہ سے فیض ملتا ہے اس سے مخلوق میں ارشاد و ہدایت کا صدور ہونے لگتا ہے اس کے ذریعہ لوگوں میں پھیلی ہوئی برائیوں کا سدباب شروع ہو جاتا ہے اس کی مساعی سے علم کی اشاعت' لوگوں کی اصلاح احوال اور دین کی تجدید ہونے لگتی ہے' یہ مجددیت کی علامات و شروعات ہیں۔ ان آثار سے دونوں راہوں کا یقین ہوتا ہے۔ مجدد کے نائب رسول ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کے حالات دینی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے بگڑ چکے ہوتے ہیں کہ جن حالات میں پہلے زمانوں میں نبی اور رسول مبعوث کیئے جاتے تھے۔ امت محمدیہ میں بھی جب ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ نئی بعثت کا تقاضا کرتے ہیں مگر حضور ﷺ کی ختم نبوت اور ختم رسالت کے باعث قیامت تک نئی بعثت قطعاً ناممکن کر دی گئی ہے۔ سو اب کبھی بھی کوئی

نیا نبی یا رسول مبعوث نہیں ہو سکتا اس لئے حضور ﷺ کے نائبین کے طور پر مختلف زمانوں میں مجدّدین کو ان ہی حالات میں پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہی کام انجام دیتے ہیں جو اگلے زمانوں میں بالعموم انبیاء کرام انجام دیا کرتے تھے اسلئے انہیں انبیاؑء کا وارث فرمایا جیساکہ ارشاد نبوی ہے!

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے " عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَأَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ " اور اس لئے بھی کہ انہیں تجدید کیلئے جو کہ بعثت کا بدل بنا دی گئی ہے سارا فیض نور رسالت محمدی ﷺ کا ملتا ہے۔

نفس مطمئنہ اسکے مقام ولایت اور اس پر کھلنے والے راستوں کے حوالے سے اس قدر بیان مقصد کو واضح کرنے کیلئے کافی ہے انہیں دو راستوں کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یوں بھی بیان فرمایا ہے۔

۱۔ طریق نبوت

۲۔ طریق ولایت

ہر دو طرق میں فرق واضح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طریق نبوت کلی فضیلت کا حامل ہے جب کہ طریق ولایت جزوی فضیلت کا۔

طریق ولایت کا منتہیٰ اور نقطۂ کمال قطبیت اور غوثیت کے مقامات ہیں اور طریق نبوت کا منتہیٰ اور نقطہ عروج مفہمیت اور مجددیت کے مقامات ہیں مجددیت و مفہمیت کا مقام ولایت کے ہر مقام سے اس لئے بلند ہے کہ مجدد نہ صرف ہمہ وقت خالق کی طرف متوجہ رہتا ہے بلکہ اس تعلق کو بتمام و کمال قائم رکھتے ہوئے خالق کا فیضان سنت مصطفوی ﷺ کی پیروی میں خلق خدا تک پہنچاتا رہتا ہے۔ اس لئے وہ مرد حق جو اپنے کمال کی منزل طریق نبوت سے پاتا ہے اس کا مقام کہیں بلند ہے اس شخص سے جو کمال کو طریق ولایت سے حاصل کرتا ہے اس لئے کہ سنت نبوی ﷺ کی پیروی آغاز سفر سے انجام سفر تک ہر قدم' ہر حال' ہر کیفیت اور ہر سطح پر مرد کامل کی دستگیری کرتی

ہے اور راہ کمال کو اپنے انجام تک پہنچانے کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔
اس بحث کے دوران شاہ صاحب نے فضیلت شیخین کے عجیب علمی مسئلے کو بھی حل فرما دیا ہے۔

فرماتے ہیں! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کیوں فضیلت حاصل ہے باوجودیکہ حضرت علی اس امت میں سب سے پہلے صوفی، مجذوب اور اول عارف ہیں اور یہ کمالات دیگر صحابہ کرامؓ میں نہیں ہیں مگر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں قلت اور کمی کے ساتھ موجود ہیں، غرضیکہ یہ مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں عرض کیا، تو یہ چیز مجھ پر ظاہر ہوئی کہ فضل کلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ ہے جو تمام امر نبوت کی طرف راجع ہو، جیسا کہ اشاعت علم اور دین کے لئے لوگوں کی تسخیر اور جو چیزیں اس کے مناسب ہوں اور رہا وہ فضل جو ولایت کی طرف راجع ہو جیسا کہ جذب اور فناء تو یہ ایک فضل جزئی ہے اور اس میں ایک وجہ سے ضعف ہے اور شیخین رضی اللہ عنہما اول قسم کے ساتھ مخصوص تھے حتیٰ کہ میں انہیں فوارہ کے طریقہ پر دیکھتا ہوں کہ اس میں سے پانی پھوٹ رہا ہے تو جو عنایات اللہ تعالیٰ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئیں وہی بعینہ حضرت شیخین پر ظاہر ہوئیں تو آپ دونوں حضرات کمالات کے اعتبار سے ایسے عرض کے مرتبہ میں ہیں جو جوہر کے ساتھ قائم ہے اور اس کے تحقق کو پورا کرنیوالا ہے لہٰذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگرچہ آپ کے بہت قریب ہیں نسب و حیات اور فطرت محبوبہ میں حضرات شیخین سے، اور جذب میں بہت قوی اور معرفت میں بہت زائد ہیں مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعتبار کمال نبوت حضرات شیخین کی طرف بہت زیادہ مائل ہیں اور اسی بنا پر جو علماء معارف نبوت سے باخبر ہیں، شیخین کو فضیلت دیتے ہیں اور جو علماء معارف ولایت سے آگاہ ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتے ہیں اور اسی بنا پر حضرت شیخین کا مدفن بعینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدفن ہے۔ (فیوض الحرمین، مشہد: ۲۲)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے باوجود انوار ولایت کے بھی حامل ہونے کے دین کی اشاعت کا کام زیادہ لیا گیا ہے اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے باوجود انوار نبوت کے بھی حامل ہونے کے امت میں ولایت و روحانیت کے فروغ کا کام زیادہ لیا گیا ہے چنانچہ بیشتر سلاسل طریقت آپ ہی سے شروع ہوتے ہیں۔

نفسِ مطمئنہ کی صفات

اس کی صفات میں عفوو درگزر، بخشش و عطا، توکّل، حلم و بردباری، عبادت گزاری، شکر اور رضا، خاص طور پر نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

خواب کی مثالی صورتیں

نفس مطمئنہ کیلئے خواب میں درج ذیل مثالی صورتیں قابل ذکر ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت، نبی اللہ کی زیارت یا کعبۃ اللہ، مسجد نبوی، مدینہ طیبہ یا بیت المقدس کی زیارت، یا کسی بادشاہ، قاضی، عالم، یا مشائخ اور بزرگوں کی زیارت، کسی جامع مسجد، مدرسہ صالح لوگوں کے مکان یا قیام گاہ کی زیارت یا اسی طرح دیگر مبارک مقامات کی زیارت، مزید برآں، تیر، کمان، تلوار، خنجر، بندوق وغیرہ یا کتابیں وغیرہ اگر اپنے نفس کی دریافت احوال کے ضمن میں مذکورہ بالا چیزوں میں سے کچھ دیکھے تو یہ "نفس مطمئنہ" پر دلالت کرتی ہیں

ایک اہم نکتہ کی وضاحت

یہ بات ذہن نشین رہے کہ بعض اوقات مذکورہ بالا اشیاء کے خواب کسی اور کو اتفاقیہ بھی آجاتے ہیں، ان کی تعبیرات حسب حال الگ الگ ہونگی۔ اس کا مقصد نفس مطمئنہ کا حامل ہونا نہیں ہوگا۔ کیونکہ خواب کے ساتھ ساتھ صفات نفس کی طرف بھی توجہ رہنی چاہئے بنیادی چیز صفات نفس ہیں اگر متذکرہ صفات صاحب رؤیا کے نفس

میں موجود ہیں تو ایسے خواب کی دلالت نفس مطمئنہ پر ہو گی ورنہ ہر خواب کی الگ الگ تعبیر کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ یہ بڑا باریک نکتہ ہے بعض اوقات عام گناہ گار لوگوں کو بھی کسی خاص وقت، حال، عمل یا کیفیت کے باعث انبیاءؑ و صلحاءؒ میں سے کسی کی زیارت ہو جاتی ہے اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کی بھی اور بعض دیگر رویائے صالحہ بھی آجاتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اسے "نفس مطمئنہ" حاصل ہو گیا ہے۔

بلکہ اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس شخص کے نفس پر کبھی کسی خاص وقت میں یا کسی خاص سبب سے عارضی طور پر ایسی تجلی وارد ہوتی ہے جو "نفس مطمئنہ" کی کیفیات کے ساتھ جزوی اور عارضی مماثلت پیدا کر دیتی ہے مثلاً اس شخص نے کوئی خاص صدقہ وخیرات کا عمل کیا، حج وعمرہ کیا، لیلۃ القدر یا شب برات میں زیادہ عبادت کی گناہوں پر رویا اور توبہ کی، کسی مظلوم کی مدد اور فریادرسی کی، والدین کی خدمت کی اور انہیں خوش کیا، کسی بزرگ یا ولی کی زیارت کی، کبھی تلاوت و عبادت کی کثرت کی یا حلقۂ ذکر اور محفل میلاد میں شرکت کی وغیرہ وغیرہ

الغرض اس سے کوئی ایسا نیک کام شعوری یا لاشعوری طور پر صادر ہوتا ہے جس کا نور اس کے نفس اور قلب و باطن پر وارد ہوتا ہے جس سے عارضی طور پر اسکی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ "نفس مطمئنہ" کی ملکوتی کیفیات کیساتھ اسے عارضی طور پر ایک جزوی سی مناسبت نصیب ہو جاتی ہے اس کا مشاہدہ وہ نیک خواب کی صورت میں کر لیتا ہے، بعد ازاں وہ حالت برقرار نہیں رہتی سو وہ کیفیت بھی زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا نفس مطمئنہ نہ تھا۔ امارہ یا لوامہ و ملہمہ تھا۔ یہ کیفیت جگنو کی دمک یا بادلوں سے پیدا ہونے والی بجلی کی چمک کی مانند ہوتی ہے۔ جو کبھی نہ کبھی ہر مسلمان پر وارد ہوتی رہتی ہے اور اس کے حسب حال آتی جاتی رہتی ہے۔ ہم نفس کی جن صفات کا ذکر رہے ہیں وہ مستقل ہیں عارضی اور اتفاقی نہیں۔ اس لئے نفس کی وہ خوابی صورتیں بھی مستقل ہوا کرتی ہے۔ یعنی جب بھی نفس کے بارے میں دریافت حال کیا جائے تو خواب میں اسی نفس کی صورتوں کی نشاندہی ہو دوسرے کی نہیں۔

مذکورہ بالا مثالی صورتوں کی تعبیرات

قرآن مجید کا خواب میں دیکھنا صفائے قلب پر دلالت کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی وہی سورت یا آیت دیکھتا ہے یا اس کی تلاوت کرتا ہے جو اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے۔ تاہم یہ علم تعبیر کے ذریعہ جانا جاسکتا ہے۔ یہ آئندہ کی خوشخبری کا اشارہ بھی ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کی زیارت سے ایمان اور اعمال کی حالت پر دلالت ہوتی ہے۔ کبھی ان کے ذریعہ ہدایات آتی ہیں کبھی یہ دلالت خود خواب دیکھنے والے کے حال پر ہوتی ہے، کبھی قوم اور معاشرے کے حالات پر اور کبھی دین و شریعت اور سنت کے حالات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے' بادشاہ کا دیکھنا عبادت و ریاضت کی طرف رجوع کا اشارہ ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ میں سے عشاق الٰہی کی زیارت عبادت میں استقامت اور باطنی توجہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مشائخ کرام کی زیارت نفس کی رہنمائی ہوتی ہے۔ قاضیوں اور ججوں کا دیکھنا احکام الٰہی کی پیروی پر دلالت کرتا ہے۔

خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت دل کا اوہام اور وساوس و خطرات سے پاک ہونا ظاہر کرتا ہے اس کی کیفیت کا اندازہ بھی زیارت کی کیفیت سے ہوتا ہے' جامع مسجد، مدرسہ' جھنڈا' تیر کمان' بندوق اور دیگر اسلحہ وغیرہ حسب حال وسوسوں کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں یہ رہنمائی ہوتی ہے کہ ان کا مزید ازالہ کیا جائے۔ معلوم ہونا چاہئے یہ وساوس اور خطرات کبھی نفس کی جانب سے، کبھی شیطان اور کبھی دل کی جانب سے ہوتے ہیں اور ہر صاحب مرتبہ کیلئے اس کے حسب حال وارد ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا ازالہ بھی جدا جدا طریقوں سے ہوتا ہے۔

نفسِ مطمئنہ کے مقام پر مؤثر ذکر (چوتھا وظیفہ)

اس کے لئے مؤثر ذکر کا اسم "**حق**" ہے اس اسم کا ذکر درج ذیل طریق پر کیا جائے۔

يَاحَقُّ اَنْتَ الْحَقُّ' اسمیں توجہ کے فروغ کیلئے!

(۱) يَامُجِيْبُ اَنْتَ الْحَقُّ

(۲) يَامُغِيْثُ اَنْتَ الْحَقُّ

کے اذکار مفید ہیں۔

اس کا عدد بھی پانچ لاکھ ہے

عدد ذکر بصورت خلوت

اگر سالک ریاضت ذکر کیلئے "خلوت" اختیار کرے تو اس صورت میں ذکر کا عدد فقط چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) ہے۔

نفسِ مطمئنہ کا جدول

نفس مطمئنہ کی سیر------ مع اللہ ہے

اس کا عالم------ ملک ہے

اس کا محل------ سر ہے

اس کا حال------ وصل ہے

اس کا وارد------ طریقت ہے

اور اس کا نور------ سفید رنگ کا ہے۔

(۵) نفسِ راضیہ

یہ پانچواں نفس ہے۔ بعض مشائخ و صوفیاء نے نفس مطمئنہ کے بعد بقیہ نفوس کا الگ سے ذکر نہیں کیا ان کے نزدیک راضیہ، مرضیہ اور صافیہ و کاملہ سب نفس مطمئنہ کی ہی اعلیٰ حالتیں اور صفتیں ہیں۔ چونکہ ان کے خواص اور احوال سابقہ نفوس کی طرح بدلتے چلے جاتے ہیں اسلئے انہیں بھی الگ اقسام نفس کے طور پر شمار کیا گیا ہے۔ یوں تو بعض صوفیاء نے نفس کی مختلف اقسام کی بجائے مطلقاً "نفس" کو ایک ہی مانا ہے۔ انھوں نے اسکی حقیقت و ماہیت پر گفتگو کی ہے اور اسی کی صفات واحوال پر کلام کیا ہے حتیٰ کہ انھوں نے نفس امارہ، نفس لوامہ، اور نفس مطمئنہ کو بھی اسی ایک ہی نفس کی مختلف بری اور اچھی حالتوں یا خصلتوں سے تعبیر کیا ہے۔ انھیں الگ قسمیں نہیں سمجھا ہمارے خیال میں بات دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے صرف فہم و اظہار کے طریقے الگ الگ ہیں اگر انھیں نفس کی مختلف حالتیں تصور کرلیا جائے تب بھی اس کے خواص واحوال اور اثرات وکیفیات تو بدل گئیں، وہ پہلے کی مانند نہ رہیں، ان کے احکام بھی بدل گئے اور انکے حاملین کے درجات و مراتب بھی تبدیل ہو گئے۔ اسلئے جن صوفیاء نے انہیں الگ اقسام قرار دیا ہے ان کے بیان سے بات میں زیادہ نظم اور سمجھنے میں زیادہ سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ ورنہ یہ مسئلہ بحث واختلاف کا موضوع نہیں بننا چاہیے کوئی ان "سات ناموں" کو اقسام نفس سمجھے، مراتب ومقامات نفس سمجھے یا صفات واحوال نفس، حقیقت ایک ہی ہے۔ اب ہم دوبارہ اصل مقصود کی طرف آتے ہیں اور وہ ہے "نفس راضیہ" یہ وہ نفس ہے جسمیں باری تعالیٰ کے جملہ فیصلوں پر اور اسکی مشیت کے تمام احکام پر راضی اور خوش ہونے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، معاملات ظاہراً موافق ہوں یا مخالف خواہ نقصان اور تکلیف کا پہلو بھی واضح اور نمایاں ہو مگر یہ نفس اسے امر الٰہی سمجھ کر نہ صرف قبول کرلیتا ہے بلکہ اپنے اندر خوشگواری اور مسرت و فرحت کی کیفیت کو بدستور برقرار رکھتا ہے، سو اسکے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہنے کے باعث اسے

"نفس مرضیہ" کا نام دیا گیا ہے۔ اسی کا ذکر نفس مطمئنہ کے ساتھ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً "اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو۔" (الفجر ۸۹:۲۸)

حضرت زکریاؑ نے جب بارگاہ الٰہی میں بیٹے کے لئے دعا کی تو ساتھ ہی عرض کیا!

وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا "اور میرے رب! اسے اپنی رضا کا حامل بنانا۔ یعنی وہ ہر حال میں تجھ سے راضی رہے۔" (مریم ۱۹:۶)

نفسِ راضیہ کی صفات اور ان کی مثالی صورتیں

اسکی صفات میں سے نمایاں صفتیں ذکر و فکر، زہد و ورع، ریاضت و مجاہدہ، تقوی و پرہیزگاری، عشق الٰہی، ترک ماسوی اللہ، وفا اور کرامات ہیں۔

بصورت خواب ان کی مثالی صورتوں میں فرشتوں، حوروں، جنت، براق، غلمان جنت، زیورات اور جنتی پوشاکوں وغیرہ دیکھنا شامل ہیں۔ اسی طرح چاند اور سورج کا دیکھنا بھی نفس مرضیہ پر دلالت کرتا ہے۔

اور انکی تعبیرات میں یہ ہے کہ ملائکہ، جنت یا حور و غلمان کا دیکھنا عقل کامل اور قرب الٰہی پر دلالت کرتا ہے اور سورج اور چاند کا دیکھنا معرفت الٰہی کے ملنے کی خوشخبری ہے کہ انشاء اللہ یہ نعمت عطا کی جائے گی۔

نفسِ راضیہ کے مقام پر مؤثر ذکر:۔ (پانچواں وظیفہ)

اسکے لئے موثر ذکر کا اسم "حی" ہے۔ اس کا عدد بھی پانچ لاکھ ہے۔ اس کی تسبیحات "یَاحَیُّ اَنْتَ الْحَیُّ" کے کلمات کے ساتھ کی جائیں۔

اس ذکر میں توجہ کے فروغ کیلئے درج ذیل اذکار مفید ہیں۔

۱۔ یَاجَمِیْلُ اَنْتَ الْحَیُّ

۲۔ يَا عَظِيْمُ اَنْتَ الْحَیُّ

۳۔ يَا عَلِیُّ اَنْتَ الْحَیُّ

اسی طرح اگر اس ریاضت ذکر کے لئے "خلوت" اختیار کی جائے تو اس صورت میں اس ذکر کا عدد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ہو گا

نفسِ راضیہ کا جدول

اسکی سیر------فی اللہ ہے۔

اسکا عالم------ملکوت ہے۔

اسکا محل------سرالسر ہے۔

اسکا حال------فنا ہے۔

اسکا وارد------معرفت ہے۔

اور اسکا نور------سبز رنگ کا ہے۔

نفس راضیہ کے فروغ اور تحقق سے "**فنا فی اللہ**" کا مقام نصیب ہوتا ہے۔

(۶) نفسِ مرضیہ

یہ چھٹا نفس ہے اور یہی نفس کا سب سے کامل درجہ ہے۔ جب نفس انسانی ہر حال میں اللہ سے راضی رہنے لگتا ہے اور اسکے مقام رضا میں لغزش یا تزلزل نہیں آتا تو مقام کی یہی استقامت اسے "مرضیہ" کے درجہ پر فائز کردیتی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے اب اللہ اس سے اسقدر راضی ہے کہ وہ جو کہے گا وہی کردیا جائیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کے نفس کو اللہ سے راضی ہونے کی توفیق بھی اسوقت نصیب ہوتی ہے جب اللہ سے راضی ہوجاتا ہے۔ گویا نفس کا اللہ سے راضی ہونا "مقام راضیہ" ہے اور اللہ کا اس نفس انسانی سے راضی ہونا "مقام مرضیہ" ہے اور یہ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں۔ "مرضیہ" کا بیان بیعت رضوان میں شامل صحابہ کرامؓ کی شان میں آیا ہے۔ قرآن مجید

میں ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح ۴۸: ۱۸)

"بیشک اللہ ان مومنوں سے راضی ہوگیا جب انھوں نے (اے نبی مکرم) آپ کے دست مبارک پر درخت کے نیچے بیعت کی۔"

اسی طرح "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" میں مقام مرضیہ اور مقام راضیہ دونوں کا ذکر اکٹھا ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں جہاں نفس مطمئنہ کو خطاب فرمایا گیا ہے اس ترتیب سے دونوں مقامات کا ذکر ہے کہ مرضیہ مقام راضیہ کے بعد آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ○ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً○ (الفجر ۸۹: ۲۷، ۲۸)

"اے نفس مطمئنہ! لوٹ آ اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو، وہ تجھ سے راضی ہو۔"

سیدنا اسمٰعیلؑ کے مقام مرضیہ کا بیان قرآن مجید میں یوں آیا ہے

کَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا (مریم ۱۹: ۵۵)

"وہ اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوۃ کا حکم فرماتے تھے اور وہ اپنے رب کے حضور مقام مرضیہ پر فائز تھے۔ (یعنی اللہ ان سے بہت راضی تھا)"

نفس مرضیہ کی صفات اور انکی مثالی صورتیں:۔

اسکی صفات میں سے نرمی، لطف وکرم، جملہ اخلاق حسنہ، قرب الٰہی اور متابعت محمدی ﷺ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ بات ذہن نشین رہے کہ پچھلے پاکیزہ خواص وصفات جو پہلے مبارک نفوس کے ذریعہ حاصل ہوئے تھے اگلے مقام میں برقرار رہیں بلکہ انمیں دوام اور ترقی پیدا ہوجائے۔ اس مقام کی مثالی صورتوں میں ساتوں

آسمان، سورج، چاند، ستارے، آسمانی بجلی، کڑک، آگ، جلتی ہوئی شمع اور روشن قندیل، (چراغ) وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی تعبیرات یہ ہیں کہ آسمانوں کا خواب میں دیکھنا اسکی نگاہ کا دائماً اللہ تعالی سے متعلق ہو جانے کا اشارہ ہے۔ کسی ستارے کا دیکھنا اسکے اپنے نفس کا نور ہے۔ آگ کا دیکھنا اسکے نفس کے فنا ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ چاند دیکھنا نور قلب پر اور سورج کا دیکھنا انوار روح پر دلالت کرتا ہے۔ رعد (بجلی کی چمک) کا دیکھنا یا سننا اس کے غفلت پر تنبیہ کی صورت میں راہ حق سے آگاہ ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ شمع اور چراغ کی روشنی بھی دل کے نور کی علامت ہے۔

نفس مرضیہ کے مقام پر مؤثر ذکر: (چھٹا وظیفہ)

اسکے لئے مؤثر ذکر کا اسم "**قیوم**" ہے جسے "**یا قیوم**" کی تسبیحات کی صورت میں کیا جائے۔

فروغ توجہ کے لئے درج ذیل اذکار مفید ہیں۔

۱۔ **یَا قَیُّوْمُ یَا کَافِیْ**

۲۔ **یَا قَیُّوْمُ یَا مُغْنِیْ**

۳۔ **یَا قَیُّوْمُ یَا قَادِرُ**

تعداد "**یا قیوم**" کے ذکر کی بھی پانچ لاکھ ہے مگر خلوت میں وظیفہ مکمل کرنا ہو تو اسکا عدد بیس ہزار (۲۰۰۰۰) ہو گا

نفس مرضیہ کا جدول

اسکی سیر ------ عن اللہ ہے۔

اسکا عالم ------ جبروت ہے۔

اسکا محل ------ خفی ہے۔

اسکا حال ------ حیرت ہے۔

اسکا وارد ------ حقیقت ہے۔

اور اسکا نور ------ سیاہ رنگ کا ہے۔

(۷) نفسِ کاملہ (صافیہ)

یہ ساتواں نفس ہے اور یہی آخری کاملیت کا آخری مقام ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ میں اسی مقام نفس کی طرف اشارہ ہے:

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ (الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)	اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف راضیہ و مرضیہ کی حالتوں میں لوٹ آ۔ پھر تو میرے (کامل) بندوں میں داخل ہو جا اور میری (اعلیٰ) جنت میں بسیرا کر لے۔

"عِبَادِیْ" (میرے بندوں) میں داخل ہونے کا حکم نفس کو شان کاملیت سے سرفراز کر رہا ہے اور "جَنَّتِیْ" (میری جنت) میں بسیرا کرنے کا حکم اسے اعلیٰ مقام سے بہرہ یاب کر رہا ہے۔ سیدنا غوث اعظم جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ جنت کی چند اقسام اور درجات ہیں۔

۱۔ جنت الماویٰ:

یہ عالم ملک کی جنت ہے۔ جب نفس حضور الٰہی کی طرف رجوع کرتا ہے تو طریق شریعت کا سفر طے کرنے کے بعد یہ جنت نصیب ہوتی ہے اسکا مقام "سدرۃ المنتھی" کے پاس ہے ارشاد ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ (النجم ۵۳: ۱۳-۱۵)	اور اسکو تو انھوں نے ایک بار اور بھی دیکھا (یعنی) سدرۃ المنتھی کے پاس یہ وہ مقام جس کے پاس جنت ماوی ہے۔

۲۔ جنت النعیم:

یہ عالم ملکوت کی جنت ہے جو نفس کو سفر طریقت مکمل کرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ یہ مقام ابرار ہے جسکے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ○ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ○ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ○ خِتٰمُهٗ مِسْکٌ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○

(المطففین ۸۳: ۲۲۔۲۶)

بے شک نیک لوگ نعمت (کے باغوں) میں ہونگے تختوں پر بیٹھے (اللہ کی نعمتوں کا) نظارہ کر رہے ہوں گے آپ ان کے چہروں پر آسودہ حالی کی شگفتگی پائیں گے۔ ان کو سر بہ مہر خالص (پاکیزہ) شراب پلائی جائے گی اس پر مشک کی مہر ہوگی اور (یقیناً یہ وہ شراب ہے کہ) اسکے لئے حرص کرنے والوں کو چاہیے کہ حرص کریں'

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ○ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ○ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ○ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ○ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ○ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِکَ

البتہ نیکو کار ایسے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی (وہ کافور کیا ہے؟)۔ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے (اور اپنی نظر التفات سے) جہاں چاہیں گے اسے بہا کرلے جائیں گے۔ (یہ ابرار لوگ وہ ہیں جو) اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اور اس (قیامت کے) دن سے ڈرتے ہیں جس (دن) کی مصیبت پھیل پڑے گی۔ اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین'

الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۝ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(الدہر ۷۶: ۵۔۲۲)

یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں۔ (ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ) ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ ہم تو اپنے پروردگار سے اس دن (کے بارے میں) ڈرتے ہیں جو نہایت اداس کرنے والا (اور) سخت ہوگا۔ پھر اللہ انکو (ان کے اس خدشہ اور خوف کے باعث) اس دن کے شر سے بچالے گا اور ان کو (یعنی ان کے چہرے کو) شگفتگی اور (دلوں کو) سرور عطا فرمائے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے انکو جنت اور ریشمی پوشاک عطا ہوگی۔ وہ لوگ اس میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے وہاں نہ تو وہ (گرمی کی) تپش محسوس کریں گے نہ (سردی کی) ٹھٹھرن (ایک خوشگوار موسم ہوگا)۔ اور اس کے (درختوں کے) سائے ان سے قریب ہوں گے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے (کہ جس طرح چاہیں وہ ان سے لطف اندوز ہوں)۔ اور (خدام)

انکے ارد گرد چاندی کے ظروف اور
شیشے کے (سے صاف ستھرے) گلاس
لئے پھرتے ہوں گے۔ اور شیشے بھی
چاندی کے جن کو انہوں نے (یعنی
خدام نے) ٹھیک انداز سے (اور ہر
شخص کی خواہش کے مطابق) بھرا
ہوگا۔ اور ان (جنتیوں) کو وہاں ایسے
جام پلائے جائیں گے جن میں زنجبیل
کی آمیزش ہوگی (جو اپنی لذت اور
فرحت میں اپنی مثال آپ ہوگی اس کا
قیاس دنیا کی زنجبیل اور جنجر پر نہ کرنا
چاہیے)۔ (یہ تو جنت کا) ایک چشمہ
ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔ اور ان
کے پاس (پیارے پیارے) بچے آئیں
جائیں گے جو ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے
اگر تو ان کو دیکھے تو سمجھے کہ (گویا)
موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔ اور (اے
مخاطب اس کا حال یوں سمجھ کہ) اس
میں تو (جدھر نظر اٹھاکر) دیکھے گا تجھے
نعمت ہی نعمت اور بڑی بادشاہت نظر
آئے گی (جو ہر جنتی کو نصیب ہوگی
اور) ان (جنتیوں) کے جسم پر باریک
سبز ریشم اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں
گے اور ان کو (بطور اعزاز خاص کے)

چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُنکا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا (جو قلب کو منور سے منور تر کردے)۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ اے اہل جنت) یہ ہے تمہارا صلہ اور تمہاری محنت (جو تم دنیا میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا کرتے تھے آج) ٹھکانے لگی۔

جنت الفردوس:

یہ عالم جبروت کی جنت ہے، جو نفس کو سفر معرفت مکمل کرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ○
(الکہف ۱۸: ۱۰۷-۱۰۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کیلئے فردوس کے باغات کی مہمانی ہوگی۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے (اپنا ٹھکانہ) کبھی بدلنا نہ چاہیں گے۔

یہاں حضور الٰہی سے نفوس قدسیہ کی خصوصی مہمان نوازی ہوتی ہے اور میزبانی خود غفور و رحیم رب کریم کی ہوتی ہے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا
بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ

بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں (جو ان سے کہتے ہیں) کہ تم مت ڈرو اور

اَوْلِیٰؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَاتَشْتَهِیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَاتَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○

فصلت، ۴۱: ۳۰ـ۳۲)

غم نہ کھاؤ اور تم جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اور ہم تمہارے دنیا میں رفیق ہیں اور آخرت میں (بھی تمہارے رفیق رہیں گے)

اور تمہارے لئے وہاں سب موجود ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہ سب بھی جو تم مانگو موجود ہے۔ یہ مہمانی ہے بخشنے والے رحم فرمانے والے (پروردگار) کی طرف سے۔

اہل فردوس کی صفات حسنہ کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں آیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(المومنون، ۲۳: ۱ـ۱۱)

بیشک ایمان والے مراد پاگئے۔ جو لوگ اپنی نماز میں عجز ونیاز کرتے ہیں۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے (ہر وقت) کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور جو ہمیشہ زکوٰۃ ادا (کرکے اپنی جان ومال کو پاک) کرتے رہتے ہیں۔ اور جو (دائماً) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جو انکے ہاتھوں کی مملوک ہیں بیشک (احکام شریعت کے مطابق انکے پاس جانے سے) ان پر کوئی ملامت نہیں پھر جو شخص ان (حلال عورتوں) کے سوا کسی اور کا خواہش مند ہوا تو ایسے لوگ ہی حد سے تجاوز

کرنے والے (سرکش) ہیں۔ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی (مداومت کے ساتھ) حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ (جنت کے) وارث ہوں گے۔ یہ لوگ جنت کے سب سے اعلیٰ باغات (جہاں تمام نعمتوں راحتوں اور قرب الٰہی کی لذتوں کی کثرت ہوگی) انکی وراثت (بھی) پائیں گے۔ وہ ان میں ہمیشہ ہیں گے۔

۴۔ القربہ

یہ سب جنتوں سے بلند عالم لاہوت کی منزل ہے جو نفس کو سفر حقیقت مکمل کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ صرف مقربین (اہل قربت) کو عطا ہوتی ہے۔ عابدین وزاہدین دنیا سے جنت کی طرف سفر کرتے ہیں اور عارفین وعاشقین جنت سے قربت کی طرف سفر کرتے ہیں۔

اس منزل کا اشارہ ان آیات قرآنی میں ہے:

وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ

(المطففین، ۸۳: ۲۷۔۲۸)

(ابرار کو جنت نعیم میں پلائی جانے والی) شراب طہور میں آب تسنیم کی آمیزش کی گئی ہوگی۔ تسنیم ایک خاص چشمہ ہے جہاں سے صرف مقربین (شراب قرب) پیتے ہیں۔

یہ تو پینے والے ہی بہتر جانتے ہیں کہ یہ "چشمہ قربت" ہے یا کہ "چشم محبت"

اور اس کا پینا جاموں سے ہوتا ہے یا نظروں سے' کیونکہ یہ "**لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ**" کا مقام ہے (تمہیں یہاں وہی کچھ ملے گا جو تمہارے جی چاہیں گے) اور یہاں تک پہنچنے والے تو نعمات جنت میں سے کسی چیز کے بھی طالب نہیں صرف دیدار یار کے اور بار بار اسی جلوہ زیبا کے' سوانہیں ہر بار انکی طلب عطا کی جاتی رہے گی۔

ارشاد ربانی ہے کہ عالم آخرت میں لوگوں کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۱) اصحاب المشئمہ (اصحاب الشمال)

یہ اپنے اپنے حسب حال و اعمال دوزخ کے مختلف درجات میں جائیں گے۔

(۲) اصحاب المیمنہ (اصحاب الیمین)

یہ جنتی لوگ ہوں گے یہ بھی اپنے حسب حال و اعمال جنت کے مختلف درجات میں جائیں گے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کوئی جنت الماوی ہیں' کوئی جنت النعیم ہیں' کوئی جنت الفردوس میں

(۳) **المقربون۔** یہ اہل قربت ہونگے جو جنت کے مذکورہ بالا درجات بھی پائیں گے مگر ان سب درجات سے بلند و بالا خاص مقام قربت سے نوازے جائیں گے۔ یہ ان کا "مقام راحت" ہو گا۔ گویا جنت النعیم اور جنت الفردوس ان کی قیام گاہ ہو گی اور "مقام قربت" ان کی آرام گاہ جنت انکا محل ہو گا اور قربت ان کی سیر گاہ۔ باغ جنت میں رہا کریں گے اور باغ قربت میں پھرا کریں گے۔ خانہ جنت سے کھائیں گے اور مۓ خانہ قربت سے پئیں گے۔ کیونکہ عام جنت میں حسن محبوب حجاب میں ہو گا اور خاص قربت میں بے حجاب اس لئے اہل قربت کیلئے تین نعمتوں کا ذکر ہے:

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ○
(الواقعہ' ۵۶: ۸۸-۸۹)

پس جو کوئی تو اہل قربت میں سے ہو گا (اسکے لئے سب سے بڑھ کر) تو خصوصی (روح) راحت اور کیف

وسرور کا مقام ہوگا' مزید یہ کہ
(ریحان) جنت کا سارا رزق حسن اور
سبزے اور باغات بھی ہونگے اور جنت
نعیم بھی اپنی تمام تر آسائشوں کے
ساتھ میسر ہوگی۔

اہل قربت کو روح' ریحان اور جنت نعیم تینوں نعمتیں بیک وقت عطا ہونگی۔

حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے "**وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ**" (اور میری جنت میں آجا) کے الفاظ میں اسی آخری مقام یعنی "منزل قربت وراحت" کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

نفسِ کاملہ صافیہ کی صفات اور مثالی صورتیں:

اس نفس کی صفات میں سے گوشہ نشینی' (خلوت وعزلت) عبادت' مفارقت عن الغیر' خاموشی (صمت وسکوت) سچائی' مددگاری' ایفائے عہد' طاعت وفرمانبرداری حق اور نسبت عبدیت اور نسبت محمدیت دونوں میں کمال درجہ کا پایا جانا ہے۔

اس نفس کی مثالی صورتوں میں سے بارش' برف' اولے' ندی نہر' دریا' چشمہ اور کنویں وغیرہ کا خواب میں دیکھنا ہے۔ ان کی تعبیرات میں سے یہ ہے کہ یہ سب راہ حق کے کھل جانے کی علامات ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا" **وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا**" (جو لوگ ہماری خاطر ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور ان پر اپنی سب راہیں کھول دیتے ہیں)

بارش' رحمت پر دلالت کرتی ہے۔ برف باری اور اولے رحمت میں کثرت کی علامت ہیں۔ ندی' نہر' دریا' چشمہ اور کنواں معرفت الٰہی اور حصول اخلاص پر دلالت کرتے ہیں۔

نفس کاملہ صافیہ کیلئے مؤثر ذکر (ساتواں وظیفہ)

اس مقام کیلئے موثر ذکر" **قہار** " ہے اس میں فروغ توجہ کیلئے درج ذیل

اذکار مفید ہیں۔

۱۔ یَاقَیُّوْمُ یَاقَھَّارُ

۲۔ یَاجَبَّارُ یَاقَھَّارُ

۳۔ یَاوَدُوْدُ یَاقَھَّارُ

تعداد " یاقھار " کے ذکر بھی پانچ لاکھ ہے مگر خلوت میں عدد دس ہزار (۱۰۰۰۰) ہو گا۔

نفس کاملہ صافیہ کا جدول

اس کی سیر ------ باللہ ہے

اس کا عالم ------ لاہوت ہے

اس کا محل ------ اخفیٰ ہے

اس کا حال ------ بقا ہے

اس کا وارد ------ محمدیت ہے

اور اس کا نور ------ بے رنگ ہے

ضروری ہدایت

سالک کو چاہیے کہ جب یہ ساتوں وظائف مکمل کرے پھر ابتداء سے انہیں وظائف کا دوسرا دارہ اسی ترتیب سے شروع کردے، حتیٰ کہ اسی طرح ان وظائف کے ساتھ سات دائرے مکمل کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے حق کی راہیں کھول دے گا۔

نفسِ کاملہ، مقامِ محمدیت اور حضرتِ الوہیت

جب نفس مرضیہ وارد حقیقت کا سفر مکمل کرتا ہے تو وہ عالم جبروت کے درجات کی تکمیل کرلیتا ہے جب وہ اس کنارے پر پہنچتا ہے تو اسے "فَادْخُلِی فِی

عِبَادِیْ" کی ندا سے "عالم لاہوت" میں داخل کرلیا جاتا ہے جہاں اسے قربت خاصہ کے حریم میں بٹھایا جاتا ہے، یہی مقام کاملہ ہے یہاں اس سے جملہ حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ ان تمام حجابات کے اٹھتے ہی اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "ورود محمدیت" کے سمندر میں آگیا ہے۔

"ورود محمدیت" کا مقام جو منازل شریعت، مقامات طریقت، "مراتب معرفت" اور "درجات حقیقت" سب سے بلند ہے اسی سے آگے "حقیقت محمدیت" ہے یہ مقام ایک ہزار نور کے پردوں میں مخفی ہے، جن کے بارے میں حضرت سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی" فرماتے ہیں کہ میں نے "حقیقت محمدیت" کے مقام کو جاننے کیلئے ان ایک ہزار حجابات نور میں سے پہلے پردے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو مجھے بتایا گیا کہ اگر تم پہلے پردے کے بھی قریب جاؤ گے تو جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔

(جواہر البحار، امام یوسف بن اسماعیل نبہانی")

یہاں انسان کی روحانی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ بس یہ بارگاہ "محمدیت" کی دہلیز ہے۔ یہی ولایت کی معراج ہے حضور ﷺ خود ہر طبقہ اولیاء کے لئے انکے حسب حال نزول فرماتے ہیں اور ہر ہر مقام و مرتبہ پر ان کی استعداد کے مطابق جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ یہی ان کی کچہریاں ہیں اور انہی میں حضوری والوں کی حضوریاں ہوتی ہیں۔ ورنہ "حقیقت محمدیت" تک کسی کی رسائی نہیں ہوتی وہاں جبرئیل امین کے پر بھی جلتے ہیں۔ پھر اس "حقیقت محمدیت" کے اوپر "حضرت الوہیت" ہے۔ یہ حقیقت امکان ہے اور وہ حقیقت وجوب۔ یہ حقیقت عبدیت ہے اور وہ حقیقت معبودیت یہ دونوں حقیقتیں آپس میں کس طرح ملاقات اور وصال کرتی ہیں کسی کو خبر نہیں کیونکہ سب سے زیادہ باخبر ملائکہ بھی سدرۃ المنتہیٰ پر روک دیئے جاتے ہیں۔

(۱) ان کی ملاقات کبھی "دَنٰی" اور "تَدَلّٰی" (دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے) کے رنگ میں ہوتی ہے۔

(۲) اور کبھی " قَابَ قَوْسَیْنِ " (وہ ملاقات دو کمانوں کی مانند) قربت میں بدل جاتی ہے۔

(۳) اور کبھی " اَوْ اَدْنٰی " (یا اس سے بھی قریب تر) فرماکر سوچنے والوں کی سوچ پر اور بولنے والوں کی زبانوں پر پابندی لگادی جاتی ہے۔

جب "حقیقت محمدیت" کی کامل معرفت کسی کو نہیں تو "حضرت الوہیت" کے کمال کا اندازہ کس کو ہو سکتا ہے۔ جہاں "زبان محمدیت" بھی یوں گویا ہوتی ہے "اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا" (کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) اور ادھر اس مقام محبوبیت و مقربیت کی آخری حد پر جلوہ فگن کر کے "زبان الوہیت" فرماتی ہے۔

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ○ (النجم ۵۳:۱۰)

پھر (اللہ رب العزت نے بلاواسطہ) اپنے بندہ کو جو وحی فرمانا تھی فرمائی

پس اس نے اپنے مقرب بندے کو قربت "او ادنی" میں جلوہ فگن کر کے وحی فرمائی جو بھی فرمائی

یہ کلمات دو راز بتا رہے ہیں ایک یہ کہ حقیقت محمدیت کا مقام حضرت الوہیت میں تمام تر قربتوں اور منزلتوں کے بعد بھی "عبدیت" (الی عبدہ) کا ہی ہے اور دوسرے وحی فرمائی جو بھی فرمائی کے کلمات بتا رہے ہیں کہ حضرت الوہیت اور حقیقت محمدیت کے باہمی تعلق و نسبت اور رشتہ و ربط کی معرفت کسی کیلئے ممکن نہیں کیونکہ حضرت الوہیت نے اسے راز رکھا ہے "ما اوحی" ایک "سر اکبر" ہے جسے وہ ذات حق ہی جانتی ہے یا اس کا محبوب جسے اس نے بتایا جو بھی بتایا۔

سو ہماری انتہاء اس دربار کی دہلیز ہے' اندر کی ہمیں کیا خبر (**واللہ اعلم بالصواب**)

کتابیات

مطبع	مصنف	نام کتب	نمبر شمار
		القرآن	۱
قدیمی کتب خانہ - کراچی	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ	صحیح بخاری	۲
قدیمی کتب خانہ - کراچی	امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیریؒ	صحیح مسلم	۳
فاروقی کتب خانہ - لاہور	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	جامع ترمذی	۴
قدیمی کتب خانہ - کراچی	امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ	سنن ابن ماجہ	۵
قدیمی کتب خانہ - کراچی	شیخ ولی الدین تبریزیؒ	مشکوۃ المصابیح	۶
المکتبہ التجاریہ الکبری مصر	علامہ علی بن خازن شافعیؒ	تفسیر خازن	۷
المکتبہ التجاریہ الکبری مصر	ابوالحسین الفراء بغویؒ	تفسیر معالم التنزیل علی ھامش الخازن	۸
بلوچستان بک ڈپو - کوئٹہ	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	تفسیر مظہری	۹
افغانی دار الکتب - دہلی	شاہ عبدالعزیز دھلویؒ	تفسیر عزیزی	۱۰
	مولانا محمود الحسن دیوبندی	حاشیہ از قرآن	۱۱
قدیمی کتب خانہ - کراچی	علامہ یحیٰ بن شرف نوویؒ	شرح مسلم للنووی	۱۲
مکتبہ امدادیہ - ملتان	حضرت ملا علی القاریؒ	مرقاۃ المفاتیح	۱۳
دار المعرفہ - بیروت	علامہ احمد قسطلانیؒ	المواہب اللدنیہ	۱۴
المکتبہ الاسلامیہ - بیروت	علامہ علی بن برھان الدین حلبی الشافعیؒ	السیرۃ الحلبیہ	۱۵

نمبر شمار	نام کتب	مصنف	مطبع
۱۶	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی ؒ	عبد التواب اکیڈمی۔ ملتان
۱۷	سیرت ابن ہشام	ابی محمد عبد الملک بن ہشام ؒ	مکتبہ فاروقیہ۔ ملتان
۱۸	دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ؒ	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۹	سیرۃ النبی	علامہ شبلی نعمانی	مکتبہ تعمیر انسانیت۔ لاہور
۲۰	قوت القلوب فی معاملہ المحبوب	شیخ ابو طالب محمد بن علی الحارثی المکی ؒ	مطبع مصطفیٰ البابی۔ مصر
۲۱	احیاء علوم الدین	امام محمد بن محمد غزالی	مطبع عثمانیہ۔ مصر
۲۲	کشف المحجوب	سیدنا داتا گنج بخش علی ھجویری ؒ	ناشران قرآن۔ لاہور
۲۳	سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار	سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی ؒ	مطبع لاہور
۲۴	الفتح الربانی	سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی ؒ	
۲۵	غنیۃ الطالبین	سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی ؒ	مطبع لاہور
۲۶	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ؒ	ملک اینڈ کمپنی۔ لاہور
۲۷	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ	مطبع کراچی
۲۸	ھمعات	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ	اکادمیہ شاہ ولی اللہ۔ حیدر آباد